مجلّہ صفدر

اپریل 2015

ترتیب

انجم نیازی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

تو فراست کا سمندر نور کا مینار بھی
قابل تقلید تیرا قول بھی، کردار بھی

تیرے سینے میں خزانہ علم کا عرفان کا
تو کھلی کھڑکی بھی ہے اور آہنی دیوار بھی

تیری سیرت میں ہر اِک خوبی بڑے اِنسان کی
گفتگو کا حسن بھی ہے، شیر کی للکار بھی

تیرے ہر اِک لفظ میں ہے شہد سے بڑھ کر مٹھاس
تیری باتوں میں گلوں کے رنگ بھی، مہکار بھی

تُو صحابی اور بھائی بھی رسولِ پاک ؐ کا
تیرا سر بھی ہے مقدس اور تری دَستار بھی

بادشاہوں سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہے رتبہ ترا
بادشاہوں سے کہیں بڑھ کر ترا پندار بھی

تُو صداقت کا مدینہ تو شرافت کا پہاڑ
تو محدث، تو مفسر، تو سپہ سالار بھی

سرخمیدہ ہیں ترے آگے زمانوں کے ستون
مطمئن اپنے بھی ہیں اور معترف اَغیار بھی

☆......☆......☆......☆

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

ترتیب

برائے رابطہ
مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی بہاول پور
مسئول: احسن خدامی 0320-4902150
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

نافع نمبر......اہل علم وقلم سے تعاون کی درخواست!

وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد اُن کی یاد میں صفدر کی طرف سے ''خصوصی شمارہ'' پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اُستاذِ مکرم حضرت مولانا محبوب احمد مدظلہ اور مولانا مفتی رب نواز مدظلہ سمیت متعدد احباب کا بھی مطالبہ تھا، حضرت مدیر اعلیٰ صاحب سے مشاورت کے بعد 'عزم' کرلیا۔مگر اِعلان سے قبل حضرتؒ کے فرزندان سے اِجازت کی خاطر ۹ رجنوری ۲۰۱۵ء کو اُن کی خدمت میں حاضری دی، ہمارے عزم سے وہ باخبر تھے، لیکن اُن کی خواہش تھی اور ہے کہ کسی بڑے اِدارے ''بینات'' یا ''البلاغ'' وغیرہ کی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کا ''خاص نمبر'' شائع ہو، لہٰذا انہوں نے بندہ سے فرمایا کہ:

''حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے والد ضرور تھے، لیکن اُن پر ہماری کوئی اِجارہ داری نہیں، وہ تمام اہلِ سنت کے بزرگ تھے، اِس لیے ہم نہ کسی کو اُن پر کام کرنے سے روکیں گے اور نہ ہی روک سکتے ہیں۔ اُن کے حوالے سے جو کوئی بھی کام کرنا چاہے، بخوشی کرے۔لیکن اِس بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزاج ومذاق کا خیال ضرور رکھا جائے، کوئی مضمون اُن کے مزاج کے خلاف شائع نہیں ہونا چاہیے۔ آپ حضرات چونکہ ہم سے مشورہ کے لیے آئے ہیں، اس لیے بطورِ مشورہ عرض ہے کہ آپ، حضرتؒ سے متعلق مواد اِکٹھا کرتے رہیں اور اُسے اپنے معمول کے شماروں میں شائع کرتے رہیں۔خاص نمبر کی ارادہ فی الحال ملتوی کردیں۔ چونکہ ہمارے ہاں آپ کے مجلّہ ''صفدر'' سے بہت پہلے سے ماہنامہ ''حق چاریار'' اور ماہنامہ ''الحقانیہ'' وغیرہ رسائل بھی آرہے ہیں۔ ممکن ہے اُن میں سے کوئی حضرت رحمہ اللہ پر 'اشاعت خاص' کا تقاضا کرے، اِس لیے اَبھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں آپ مواد اکٹھا کرتے رہیں، اگر آپ نے دوسروں کی نسبت زیادہ مواد اکٹھا کرلیا تو ہمارے پاس ''اشاعت خاص'' میں آپ کے ساتھ تعاون کا معقول عذر ہوگا۔''

بندہ نے عرض کیا کہ: مقصود صرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اپنی عقیدت کا اظہار اور ان کے اَحوال سامنے لانا ہے۔اس لیے حضرتؒ کے اَفکار ونظریات سے مطابقت وموافقت رکھنے والا کوئی بھی اِدارہ یا فرد مسلکی بنیاد پر یہ کام کرے تو اِن شاء اللہ ہمارا ہر قسم کا تعاون اُس کے ساتھ ہوگا۔فی الحال ہم آپ کے

مشورے کے مطابق اِشاعت خاص کا ارادہ ملتوی کر دیتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ ’’صفدر‘‘ ہر طرح کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔

اُدھر محترم جناب انجم نیازی صاحب نے اَز خود حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزندان سے بات کر کے بندہ کو ’’صفدر‘‘ کی طرف سے ہی خاص نمبر کی تیاری کا حکم دیدیا۔ چنانچہ باہمی مشاورت کے بعد اِشاعت خاص کا ’’اعلان‘‘ لگا کر چند اہل علم وقلم کی خدمت میں عریضہ بھی اِرسال کر دیا گیا، لیکن احتیاطًا مجلّہ ’’صفدر‘‘ کا نام نہیں لکھا۔ اِرادہ تھا کہ مواد اِکٹھا کر لیا جائے، اگر کوئی قابل اعتماد مسلکی رسالہ یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو اُس کے ساتھ تعاون ہو جائے گا۔ اور اگر ماہنامہ ’’بینات‘‘ یا ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کی طرف سے حضرتؒ کا خاص نمبر شائع ہو جائے تو یقیناً حضرتؒ کے احوال نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک ہر طبقہ کے اہل سنت کی ایک کثیر تعداد تک پہنچ جائیں گے۔

چند روز بعد حضرتؒ کے صاحبزادۂ گرامی نے بذریعہ فون بندہ سے فرمایا کہ: آپ کا ’’اعلان‘‘ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، آپ محنت اور کوشش فرمائیں، ہم آپ کے ساتھ اِن شاء اللہ ہر قسم کا تعاون کریں گے۔ حضرتؒ کی مرتب شدہ ڈائریاں، حضرتؒ کے نام مختلف لوگوں کے خطوط، خود حضرتؒ کے مکاتیب اور دیگر مواد آپ کو دیا جائے گا۔ آپ ہم سے رابطہ میں رہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ: فی الحال ہم نے اعلانات اور اہل علم کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے پر اکتفاء کیا ہے، کیونکہ اَبھی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ’’غامدی نمبر‘‘ کی مصروفیت بھی ہے، اُس کی تکمیل کے بعد اِن شاء اللہ مسلسل رابطہ رہے گا۔

’’اعلان‘‘ تو پہلے سے ہم کر چکے تھے، حضرتؒ کے صاحبزادۂ گرامی کے اِرشاد کے بعد مزید اہتمام کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اہل علم وقلم نے شفقت وعنایت کی اپنی سابقہ روایت برقرار رکھی تو اِن شاء اللہ حسب سابق مفصل وجامع اشاعت خاص کا اہتمام کیا جائے گا۔ جملہ اہل علم وقلم سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ حضرت رحمہ اللہ سے متعلق اپنے تاثرات، تعزیتی پیغامات اور مضامین ومقالات یکم جون ۲۰۱۵ء تک ’’صفدر‘‘ کے پتے پر ارسال فرما دیں۔ جزاکم الله أحسن الجزاء.

’’فتنۂ غامدی نمبر‘‘ تیزی سے ترتیب وتدوین کے مراحل طے کر رہا ہے، تکمیل کے بعد اِن شاء اللہ قارئین کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ اور ’’نافع نمبر‘‘ کے بعد اِن شاء اللہ محقق اہل سنت حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کی یاد میں بھی خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس کے لیے بھی ہم اہل علم وقلم کے تعاون کے محتاج رہیں گے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا ابوالحسن بھٹی

مسند امام ابوحنیفہ کی ایک حدیث اور اس کی تشریح

أبوحنيفه عن علی بن الحسين الزرادعن تمام عن جعفربن أبی طالب: ان ناسامن أصحاب النبی ﷺ دخلوا علی النبی ﷺ فقال: ماأراكم قلحا، استاكوا فلولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم بالسواك عندكل صلوة.[مسندأبوحنيفه بروایة الحصكفی:۲۳]

ترجمہ: .....نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: میں تمہارے دانتوں پہ زردی، میل دیکھ رہا ہوں، مسواک کیا کرو! مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

فقه الحديث وتشريح الروايه:

۱۔صحابہ کرامؓ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لہٰذا چھوٹوں مثلاً شاگردوں، مریدوں کو بڑوں مثلاً استادوں، پیروں کے پاس حاضری دینی چاہیے۔

۲۔دخلوا جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا بڑوں کے پاس اجتماعی صورت میں حاضر ہونا بھی صحیح ہے۔

۳۔چھوٹوں کی آمد پر بڑے انہیں وقت دیں، یہ بات اخلاقِ نبوت کا حصہ ہے۔

۴۔آنے والوں کو نصیحت کرنا اُسوۂ نبوی ہے۔

۵۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تنبیہ فرمائی، لہٰذا بڑوں کو چھوٹوں پر تنبیہ کا حق حاصل ہے۔

۶۔جب بڑوں کو چھوٹوں پر تنبیہ کا حق ہے تو چھوٹوں میں ڈانٹ سہنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔مسند ابوحنیفہ ہی کی ایک روایت میں "مالی أراكم" کا جملہ ہے اور لفظ "مَا لِی" ڈانٹ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۷۔رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زائد صحابہ کو تنبیہ فرمائی، لہٰذا جماعت کو اس کی کسی کوتاہی پر سمجھانا درست بلکہ ضروری ہے جیسا کہ فرد واحد کی اصلاح ضروری ہوتی ہے۔

۸۔آپ ﷺ نے فی الفور صحابہ کی اصلاح فرمائی، لہٰذا فی الفور سمجھانا مصلحت کے خلاف نہ ہو تو فوراً سمجھا دینا بہتر ہوتا ہے۔

۹۔"ناسًا" کا لفظ نکرہ ہے، اس لیے معنیٰ "کچھ لوگ" ہوگا۔یعنی اس موقع پر بعض لوگوں کے دانت میلے تھے نہ کہ سب کے۔

۱۱۔جن لوگوں کے دانت میلے تھے ان کا نام نہیں بتایا گیا۔صحابہ کا عام معمول تھا کہ جب کسی مسلمان کی کسی کی

کو بیان کرتے تو اس کا نام ذکر نہیں کرتے تھے۔ اِس سے ایک اصول نکلتا ہے کہ کسی کی کوتاہی کو ذکر کرنے کی اگر ضرورت پیش آجائے تو اُس شخص کا نام نہ لیا جائے۔

۱۰۔ ان بعض پر بھی دانتوں کے میلے ہونے پر اعتراض کرنا درست نہیں، اِس لیے کہ یہ اُن کی ابتدائی حالت تھی، آپ ﷺ کے سمجھانے کے بعد صحابہ کرام مسواک کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

۱۲۔ قُلَّحًا: ق پر پیش، ل پر شد اور زبر ہے اور یہ لفظ ''قالح'' کی جمع ہے۔ قالح کا معنیٰ ''دانتوں کی زردی والا'' ہے۔

۱۳۔ استاکوا: یہاں امر استحباب کے لیے ہے، لہٰذا مسواک کرنا مستحب و مسنون ہے، واجب نہیں۔

۱۴۔ فرمان نبوی ''مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو...'' سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ امت کے لیے رحم دل تھے۔ یہ جملہ آپ کے رحیم ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔ آپ ﷺ نے یوں نے نہیں فرمایا: ''لوگوں پر مشقت کا اندیشہ....'' بلکہ ارشاد ہے کہ ''اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ'' آپ نے انسانوں کو ''اپنی امت'' کہہ کر امت سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ جیسے ماں بیٹے کو ''میرا بیٹا'' کہتی ہے۔ یہاں نام کے بجائے ''میرا بیٹا'' کہنا محبت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

۱۶۔ فرمان نبوی ''میں انہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا'' کا مطلب یہ ہے کہ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔ آپ ﷺ نے وجوبی طور پر مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا، ویسے تو حکم فرمایا ہے۔

۱۷۔ ہر نماز کے وقت مسواک سے مراد نماز کے وضو کا وقت ہے اس لیے کہ دوسری حدیثوں میں ''عند کل وضوء'' آیا ہے ان حدیثوں کے پیشِ نظر مذکورہ حدیث میں لفظ ''وضوء'' محذوف مانا جائے گا، تقدیری عبارت ''عند کل وضوء الصلوۃ''، ''نماز کے ہر وضو کے وقت'' ہوگی۔ آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا تھا، نیز عموماً محدثین مسواک والی حدیثوں کو ''کتاب الطہارۃ'' کے تحت لائے ہیں، لہٰذا مسواک وضو کی سنت ہے نہ کہ نماز کی۔

عقلی طور پہ غور کیا جائے تو بھی ''مسواک ہر وضو کے وقت'' والی حدیث کا مسئلہ راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وضو سے دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے اور وہ وضو کے وقت وضو خانہ ہی میں مناسب رہے گی نہ کہ نماز کے وقت مسجد میں بالخصوص جب مسواک کرنے سے دانتوں سے خون نکلنے کا احتمال بھی ہو۔

استاذ محترم حضرت مولانا کمال الدین المسترشد صاحب دام ظلہ نے ہمیں ترمذی پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ: شوافع کے ہاں مسواک نماز کی سنت ہے، اِس لیے جب نماز کھڑی ہونے لگتی ہے تب وہ جلدی سے مسواک کر لیتے ہیں، مگر شوافع محدثین نے مسواک والی حدیثوں کو ''کتاب الصلوۃ'' کے تحت لانے کی بجائے ''کتاب الطہارۃ'' کے ذیل میں لائے ہیں۔ اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کرامت کہیں یا کچھ اور، بہرحال یہ حیران کن بات ضرور ہے۔ ☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی امان اللہ نادر خان
رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ......اور
ڈاکٹر رضوان علی ندوی کی تنقید کا علمی محاسبہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی جلیل القدر، عظیم المرتبت اور ذی شان صحابی اور کاتب وحی تھے۔ لیکن قرآن پاک کی موعودہ ''خلافت راشدہ'' کا مصداق بالاتفاق حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ زیر نظر مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جس ''خلافت'' کا اثبات کیا گیا ہے، اُس سے مراد ''خلافت راشدہ مطلقہ'' ہے، نہ کہ ''خلافت راشدہ موعودہ''۔ [ادارہ]

مؤرخہ ۷/اور ۸/جولائی (۲۰۱۳ء) کے روزنامہ ''امت'' میں ''ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی'' صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''حضرت معاویہؓ اور قدیم مؤرخین اور محدثین'' شائع ہوا، جس میں ڈاکٹر صاحب نے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے موقف سے انحراف کرکے بزعمِ خویش حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ''صحیح حالات'' پر ''تاریخی حقائق'' اور ''قدیم مؤرخین ومحدثین'' کی آراء کی مدد سے روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زبان زد عام مشہور فضائل ومناقب من گھڑت ہیں، قدیم مؤرخین ومحدثین میں سے کسی نے انہیں ذکر نہیں کیا، اس ضمن میں ''ڈاکٹر صاحب'' نے مولانا اورنگزیب صاحب فاروقی کے مضمون (یا بالفاظ دیگر حضرت امیر معاویہؓ) پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱)......سیدنا امیر معاویہ ایک عام صحابی تھے، ''جلیل القدر اور ''عظیم المرتبت'' نہیں تھے۔
(۲)......وہ آپ ﷺ کے خطوط ومعاہدات لکھا کرتے تھے، البتہ ''کاتبِ وحی'' نہیں تھے۔
(۳)......وہ ''مؤلفۃ القلوب'' اور ''طُلَقاء'' میں سے تھے، اور فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔
(۴)......وہ ''اول الملوک'' تھے، ''خلیفہ'' نہیں تھے۔
(۵)......حضور اکرم ﷺ سے ان کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔

نوٹ: اعتراضات کا جواب دینے سے قبل قارئین کے لیے ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے، وہ

یہ کہ ہماری یہ تحریر ڈاکٹر رضوان علی ندوی صاحب کے مضمون کے جواب میں لکھی گئی تحریر کا خلاصہ، تلخیص، بلکہ اُس کا اجمالی خاکہ ہے، اصل تحقیقی و تفصیلی جواب میں ہم نے ڈاکٹر صاحب کے اٹھائے گئے اعتراضات کو تفصیل سے ذکر کرنے، پھر ان کا تجزیہ و تحلیل کرنے، مولانا اورنگزیب صاحب کے مضمون سے ان کا موازنہ کرنے، ان کے درمیان محاکمہ کرنے کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ اقتباسات کی اصل کتاب کی طرف مراجعت کر کے سیاق وسباق سے انہیں مکمل دیکھ کر ان کے صحیح مفاہیم ومطالب بیان کرنے کا کام کیا ہے۔اوراس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے تسامحات کی نشاندہی کی ہے۔

جب کہ موجودہ تلخیص خالص علمی انداز میں اُس تفصیلی جواب کا خلاصہ اور لب لباب ہے، جسے اہلِ علم اوراسی طرح وہ حضرات جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر بغور پڑھی ہو اوران کے ذہنوں میں اس کا مفہوم باقی ہو، وہ تو قدرے آسانی سے سمجھ جائیں گے، البتہ جن حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر نہیں پڑھی، یا ان کے ذہنوں میں اس کا مفہوم محفوظ نہ ہو، تو وہ حضرات شاید ہماری اس تحریر میں کچھ تشنگی (جو بوجہ تلخیص کے پائی جائے گی) محسوس کریں گے، اس کے لیے ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں، لیکن اگر وہ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کی تحریر بھی سامنے رکھ کر مطالعہ کریں گے، تو ان شاء اللہ وہ تشنگی بھی باقی نہیں رہے گی۔

پہلے اعتراض کا جواب:

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، سواس سلسلے میں ''ڈاکٹر صاحب'' دلیل تو کوئی بھی پیش نہ کر سکے، البتہ اپنے اندر کے غصہ وکینہ کا خوب اظہار کر کے ایک صحابی رسول ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے، جس سے ان کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

مختصراً عرض یہ ہے کہ ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' یہ دونوں صیغہ صفت ہیں اور کلی مشکک کے طور پر ان کا اطلاق اپنے تمام افراد پر اولیت واولویت (کمی وزیادتی) کے اختلاف سے ہوتا ہے اوراس بات پر تمام اہل سنت متقدمین ومتاخرین کا اتفاق واجماع ہے کہ خود ''صحابیت'' ایک ایسا بلند مقام ہے کہ نبوت کے بعد اس سے اونچا کوئی مقام نہیں۔اور یہی معنی ہے ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' ہونے کا۔

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ مقرب لوگ ہیں، لیکن ان کے درجات میں پھر بھی تفاوت ہے اور یہ تفاوت ''تقرب'' کے اس مقام کے منافی ہرگز نہیں، لہٰذا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' ہیں اور کسی صحابی کے ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' ہونے سے دوسرے کسی صحابی کی ''جلالتِ قدر'' اور ''علومرتبت'' کی نفی پر استدلال کرنا ایک ''مضحکہ خیز'' بات ہے۔

اب ذرا ''ڈاکٹر صاحب'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

''اگر حضرت معاویہؓ ہی ''جلیل القدر'' اور ''عظیم المرتبت'' خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے لیے کون سے الفاظِ مدح باقی رہ گئے''؟!

لفظ ''ہی'' سے حصر کا مفہوم بیان کرنا مولانا اورنگزیب صاحب پر غلط الزام ہے، جس سے وہ بری ہیں، اس پر مزید تبصرہ اہلِ علم حضرات کی خدمت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

سورۃ الحدید آیت ۱۰ رکا مفہوم یہی ہے کہ فتح مکہ سے قبل قتال وانفاق کرنے والوں کا مقام فتح مکہ کے بعد قتال وانفاق کرنے والوں سے زیادہ ہے اور یہی مسلّم بھی ہے۔ مولانا اورنگزیب صاحب نے بھی اس سے انکار نہیں کیا، مگر اس سے حضرت امیر معاویہؓ کی ''جلالتِ قدر'' اور ''علومرتبت'' کی نفی پر وجہ استدلال کیا ہے؟

جہاں تک سورۃ التوبۃ آیۃ نمبر ۱۰۰ رکا تعلق ہے تو اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ''السابقون الأولون'' کا مصداق نہیں تو ''والذین اتبعوھم'' میں شامل ہو کر ''رضی اللہ عنہم'' کا مصداق ہونے میں تو کسی بھی قدیم وجدید مفسر کو کوئی کلام نہیں۔

''اتباع بالإحسان'' کی تفسیر ''اتباع قبل از فتح مکہ'' سے کرنا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خوشنودی (رضی اللہ عنہ) سے خارج قرار دینا یہ ''ڈاکٹر صاحب'' کی ''خانہ زاد تفسیر''، ''انوکھی تحقیق''، بلکہ آیت کے مفہوم میں واضح ''تحریف'' ہے، جس سے چودہ (۱۴) صدیوں کے تمام مفسرین (جدید وقدیم) علماء بری ہیں۔

آیت کی تفسیر میں قدیم وجدید مفسرین کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) ''السابقون الأولون'' کے مصداق میں چھ (۶) مختلف اقوال ہیں: ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے مراد تمام صحابہ کرامؓ ہیں۔

(۲) سابقہ قول کے مطابق تمام صحابہ مراد لینے کی صورت میں ''والذین اتبعوھم'' سے مراد تابعین ہیں اور جنہوں نے اول الذکر (السابقون الأولون) سے مراد قدماء صحابہ لیے ہیں، ان کے نزدیک آخر الذکر (والذین اتبعوھم) سے مراد وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے قسمِ اوّل کے افعال میں ان کی اچھی پیروی کی۔

(۳) ''والذین اتبعوھم'' کا مصداق ''السابقون الأولون'' کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ کرامؓ سمیت قیامت تک آنے والے تمام مسلمان ہیں، جو ایمان لا کر ان کی اچھی پیروی کریں۔

(۴) ''اتباع بالإحسان'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ میں قسم اول (السابقون الأولون) کی پیروی کی جائے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ قسمِ اول کے بارے میں اچھی رائے واعتقاد رکھا جائے، ان پر طعن وتشنیع نہ کی جائے۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ قسم اوّل کے محاسن ذکر کیے جائیں اور ان کے لیے رحمت وغیرہ کی دعا کی جائے۔

اب اس کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) ''والذین اتبعوھم'' سے مراد ''سابقین اولین'' کے بعد والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

(ب) یا اس سے مراد صحابہ کرامؓ سمیت قیامت تک آنے والے تمام وہ مسلمان ہیں، جو ایمان لا کر سابقین اولین کے طریقے پر چلیں اور ان کی پیروی کریں۔

تفصیلی اقوال کے لیے مذکورہ آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں:

التفسیر الکبیر(۱۳۷/۱٦)،روح المعانی(۹/٦)،فتح القدیر (۵۰۷/۲،۵۰۸)، زادالمسیر (۳۷۰/۳،۳۷۱)، الصاوی علی الجلالین (٦۷/۲)،تفسیر جلالین ،تفسیر سمر قندی ،تفسیر المنار ،تفسیر أبی السعود،الکشف والبیان المعروف بہ ''تفسیر ثعلبی''،الجامع لاحکام القرآن للامام القرطبی ، تفسیر عثمانی ،بیان القرآن ، معارف القرآن للکاندھلوی ،مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ (۲۳۵/٤۔ ۲٤۹)

علاوہ ازیں ''رضی اللہ عنہم'' کا پروانہ مذکورہ آیت کے علاوہ قرآن کریم میں چار اور مقامات پر بھی ہے:

ایک سورۃ الفتح آیت نمبر ۱۸/ہے، جس میں یہ خوشنودی ''اہل بیعت رضوان'' کے لیے ہے۔

(ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ حضرت معاویہؓ اُن میں سے نہیں، ٹھیک ہے، ہمیں بھی اس پر اصرار نہیں۔)

لیکن یہی خوشنودی سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۱۹/، سورۃ المجادلۃ آیت نمبر ۲۲/، اور سورۃ البینۃ آیت نمبر ۸/ میں بھی مذکور ہے، جو تمام صحابہ کرام کے لیے عام ہے۔ اب ہم ''ڈاکٹر صاحب'' کا مبلغِ علم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں وہ کون سی نئی اور ''انوکھی تحقیق'' پیش کر کے ان تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو اس خوشنودی کے زمرے سے خارج قرار دیتے ہیں، جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لیے دیگر خطوط و معاہدات کی کتابت تو کیا کرتے تھے، البتہ ''کاتبِ وحی'' نہیں تھے۔

یہاں بھی ''ڈاکٹر صاحب'' نے کسی بھی معتبر یا غیر معتبر قدیم یا جدید مؤرخ و محدث کے حوالے سے کوئی ایک حوالہ بھی ایسا پیش نہیں کیا، جس میں کتابتِ وحی کی نفی ہو، خواہ صراحۃً یا دلالۃً یا کنایۃً یا اشارۃً، البتہ ایسی عبارات ضرور ذکر کی ہیں، جو اس حوالے سے مجمل تھیں، جن میں نفسِ کتابت کا تذکرہ تھا، البتہ کتابتِ وحی کی نفی یا اثبات سے وہ عبارات ساکت تھیں۔

''ڈاکٹر صاحب'' نے سارا زور الفاظ و تعبیرات پر صرف کیا ہے، مثلاً:

''قدیم ترین مؤرخ المدائنی (وفات ۲۰۵ھ)'' اور ''امام ذہبیؒ جو انتہائی ثقہ محدث اور وسیع الاطلاع قدیم

مؤرخ ہیں (وفات ۷۴۸ھ)'' وغیرہ۔

ہم ''غیر جانبدارانہ'' انداز میں اس سے متعلق تمام عبارات کا مفہوم یہاں اختصار سے پیش کریں گے، چنانچہ کتابتِ وحی سے متعلق دو طرح کی عبارات ہیں:

پہلی قسم کی وہ عبارتیں ہیں جو مجمل ہیں، جن میں اثبات ونفی کا ذکر نہیں، البتہ نفسِ کتابت کا ذکر ہے، جو کتابتِ وحی وغیر وحی دونوں کو محتمل وشامل ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف) آپ ﷺ کے جملہ کاتبین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

(ب) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطوط ومعاہدات ودیگر امور کی کتابت کیا کرتے تھے۔

(ج) کتابتِ وحی کے بارے میں مذکورہ تمام عبارات مجمل ہیں۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

الإصابة (٤٣٣/٣)،فتح الباری(١٠٤/٧)، مجمع الزوائد (٣٥٧/٩)، زاد المعاد (١١٧/١)،سير الأعلام النبلاء (١٢٠/٣)، تاريخ الاسلام الذهبي(٢/ ٣٤٢)، الكامل في التاريخ (٢/ ١٧٩)، تاريخ بغداد (١/ ٢٢٢)،الاستيعاب (٣/ ٣٥٩)، تاريخ الطبري(٢/ ٢١٨)، مسند أحمد (١/ ٤٧٩، ٨٤٤)اور الطبقات الكبرىٰ (٧/ ٤٠٦)

دوسری قسم کی وہ عبارات ہیں، جن میں کتابتِ وحی کی تصریح ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے امام ذہبیؒ کا حوالہ:

چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے ''انتہائی ثقہ محدث اور وسیع الاطلاع قدیم مؤرخ'' امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۷۴۸ھ) اپنی مشہور کتاب "تاريخ الإسلام" میں اس عبارت سے بالکل متصل جو ''ڈاکٹر صاحب'' نے اپنے مضمون میں نقل کی ہے، کہتے ہیں:

وقد صح عن ابن عباس ، قال: كنت ألعب، فدعاني رسول ﷺ وقال: "أدع لي معاوية" وكان يكتب الوحي".

کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کھیل رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ جاؤ معاویہؓ کو بلاؤ، حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ معاویہؓ آپ ﷺ کے لیے وحی کتابت کیا کرتے تھے۔[۳۴۲/۲]

یہی روایت امام ذہبیؒ نے اپنی دوسری کتاب ''سیر الأعلام'' میں ''ڈاکٹر صاحب'' کی نقل کردہ عبارت سے دو سطر بعد ذکر کی ہے۔ پھر امام ذہبیؒ نے مذکورہ روایت نقل کرکے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

"رواه أحمد في مسنده"

اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت چار مقامات پر ذکر کی ہے۔(حدیث:۲۱۵۰،۲۶۵۱،۳۱۰۴،اور

۳۱۳۱) جن میں دو مقامات پر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، "وکان کاتبه".

حافظ ذہبیؒ کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسند احمد میں کتابت سے ''کتابت وحی'' مراد ہے، اس لیے کہ روایت ایک ہی ہے۔

نیز اس کی تائید پانچویں صدی ہجری کے مشہور محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی: ۴۵۸ھ سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے بھی اسی روایت کو اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس میں یہ صراحت ہے:

"وكان يكتب الوحي". (دلائل النبوة: ٦/ ٢٤٣)

قارئین یقیناً ''ڈاکٹر صاحب'' کی اس ''دیانت'' پر انہیں داد دینا چاہیں گے کہ کتنی جرأت کے ساتھ انہوں نے کہا کہ ''حافظ ذہبیؒ نے کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت وحی کا ذکر نہیں کیا۔'' حالانکہ ہم نے امام ذہبیؒ کی دونوں کتابوں سے دکھایا کہ انہوں نے بڑی صراحت کے ساتھ کتابتِ وحی کا اثبات کیا ہے، اگر فاضلِ موصوف کو اس پر اعتماد نہیں تھا، تو تب بھی دیانۃً ان کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ اس کو ذکر کرتے، پھر اصولی وفنی اعتبار سے اس پر نقد و جرح کر کے اس کی تضعیف و تردید (اگر ہوتی، تو) کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ''ڈاکٹر صاحب'' مذکورہ عبارت پر نظر نہیں پڑی تو

اولاً: یہ عرض ہے کہ وہ عبارت تو آنجناب کی ذکر کردہ عبارت سے بالکل متصل ہے۔

ثانیاً: پھر اس سے ''ڈاکٹر صاحب'' کی پوری تحریر مشکوک ٹھہرادی جائے گی کہ انہوں نے سیاق وسباق اور بحث کی پوری تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ''جانبدارانہ'' انداز میں صرف اپنے مطلب کی بات لی ہے، بہر کیف! واقعہ جو بھی ہے ڈاکٹر صاحب نے یہاں ''زبردست علمی خیانت'' کا ارتکاب کیا ہے، جس کی مناسب ومعقول توجیہ کرنا خود انہی کے ذمہ ہے، ''ہم عرض کریں گے، تو شکایت ہوگی''۔

نویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

امام ذہبیؒ کے بعد نویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۸۵۲ھ) نے بھی "تقريب التهذيب" میں یہ تصریح کی ہے:

"معاويه بن أبي سفيان رضي الله عنه صخر بن حرب بن أميه الأموي ،أبو عبد الرحمن ، الخليفة،صحابي، أسلم قبل الفتح وكتب الوحي".

کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک صحابی اور خلیفہ ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور کتابت وحی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب خود فرما چکے تھے: ''وہ ابنِ کثیر سے زیادہ وسیع العلم اور حافظ حدیث ومؤرخ ہیں'' اس لیے حافظ صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ حوالہ دیکھنے کے بعد وہ اپنے ہوش وحواس کھو

بیٹھے اور بوکھلاہٹ کا شکار ہوکر مذکورہ حوالے کا بڑی صراحت وجرأت کے ساتھ انکار ہی کردیا، فرماتے ہیں:

"مضمون نگار (مولانا اورنگزیب صاحب) نے یہ غلط لکھا ہے کہ "شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ معاویہؓ بن ابی سفیان ایک صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، یہ نہ ان کی بڑی کتاب "الإصابة في تميز الصحابه" میں ہے اور نہ چھوٹی مختصر کتاب "تقريب التهذيب" میں ہے، مضمون نگار (مولانا اورنگزیب صاحب) کا حوالہ غلط ہے"۔

خدا گواہ ہے کہ "ڈاکٹر صاحب" کی اس تحقیق کو "صریح جھوٹ" تحریر کرتے ہوئے، ان کا مقام ومنصب ملحوظِ خاطر رکھ کر دل اجازت نہیں دیتا، نہ ہی قلم ساتھ دیتا ہے، مگر اس کی توجیہ کریں تو پھر کیا کریں؟

حافظ ابنِ حجر کی وہ بات جو "الإصابة" اور "فتح الباري" میں مجمل تھی، یہاں "التقريب" میں اس کی وضاحت بھی ہوگئی، جس سے معلوم ہوا کہ "الإصابه" اور "فتح الباري" کی مجمل عبارت سے ڈاکٹر صاحب کا نفی کتابتِ وحی پر استدلال کرنا سراسر غلط ہے، یہاں ڈاکٹر صاحب نے "الإصابه" اور "فتح الباري" کی عبارت نقل کرکے آخر میں کہا کہ:

"انہوں نے یہ قطعاً نہیں لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے وحی کی کتابت کی" اس طرح ابن حجر کا بیان "الاصابہ" اور "فتح الباری" دونوں میں یکساں ہے، یعنی صرف "کتابت" کا ذکر ہے، کتابتِ وحی کا ذکر سرے سے نہیں"۔

ڈاکٹر صاحب سے کوئی پوچھے کہ اگر حافظ ابن حجر نے "قطعاً نہیں لکھا" اور "کتابتِ وحی کا ذکر سرے سے نہیں کیا"، تو پھر "التقريب" میں کس نے لکھا؟ اور یہ کہ "التقريب" کس کی تصنیف ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ اسے بھی بلا تبصرہ قارئین کی خدمت میں چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قارئین پر خوب واضح ہونی چاہیے کہ مذکورہ بالا دونوں حوالے ان قدیم "انتہائی ثقہ، وسیع الاطلاع، حافظِ حدیث ومؤرخ" کے ہیں، جن سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری تحریر میں جابجا تائید حاصل کی ہے، جب کہ ان دونوں بزرگوں کا مؤقف اس کے بالکل برخلاف ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے دانستہ یا نادانستہ طور پر ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز مفسر، محدث اور مؤرخ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ کا حوالہ:

اسی طرح آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز مفسر، محدث اور مؤرخ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ (وفات: ۷۷۴ھ) نے بھی "البدايه والنهايه" میں کتابتِ وحی کی تصریح اور وضاحت سے اثبات کیا ہے، فرماتے ہیں:

"وكاتب وحي رب العالمين". (۸/۲۲)

ڈاکٹر صاحب سے اس کا جواب نہ بن سکا تو یہ کہہ کر چل دیئے:

''افسوس کی بات ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ بھی اس رو میں بہہ گئے ہیں''۔

اس پر تبصرہ کے حقوق بھی اہلِ علم کے لیے محفوظ ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور محدث علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ کا حوالہ:

پانچویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ، اصولی اور محدث علامہ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (وفات: ۴۵۶ھ) آپ ﷺ کے کاتبین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"علي بن أبي طالب و عثمان و عمر و أبو بكر و معاوية بن أبي سفيان، و كان زيد بن ثابت من ألزم الناس لذالك، ثم تلاه معاوية بعد الفتح ، فكانا ملازمين للكتابة بين يديه ﷺ في الوحي وغير ذلك، لا عمل لهماغير ذلك ". (جوامع السيرة :ص:۲۷،دار المعارف)

مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

(الف)......دیگر کاتبین کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

(ب)...... یہ دونوں حضرات (زید بن ثابت اور معاویہ رضی اللہ عنہما) ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں کتابت کے لیے حاضر رہا کرتے تھے۔

(ج)......ان دونوں حضرات نے وحی اور غیر وحی دونوں کی کتابت کی ہے۔

(د)......ان دونوں حضرات کا وحی و غیر وحی کی کتابت کے علاوہ دوسرا کام نہ تھا۔

یہی بات علی بن برہان الدین، علامہ حلبیؒ نے سیرت کی مشہور کتاب "السيرة الحلبية" میں ذکر کی ہے۔(۳/۳۲۷)

یہ عبارت مکمل مع مفہوم کے ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ''ڈاکٹر صاحب'' نے مولانا اورنگزیب ''مظلوم'' کو اس عبارت کے حوالے سے ''قطع وبرید واضافے'' کا بے بنیاد اور غلط الزام دیا ہے، ورنہ مولانا نے اپنی تحریر میں وہی بات ذکر کی ہے، جو ہم ابھی اصل مراجع سے ذکر کر آئے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور لغوی مفسر اور محدث امام ابوبکر الخلال رحمہ اللہ کا حوالہ:

تیسری صدی ہجری کے مشہور لغوی مفسر اور محدث امام ابوبکر الخلال رحمہ اللہ (متوفی: ۳۱۱ھ) نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ ابوالحارث کہتے ہیں:

''ہم نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''کاتبِ وحی'' اور ''خال المؤمنین'' نہ کہتا ہو، تو انہوں نے فرمایا ''یہ بُری اور بے کار (بلا سند) بات

ہے، ایسی بات کرنے والوں سے دور رہا جائے گا، ان کی ہم نشینی اختیار نہیں کی جائے گی، اور ہم ان کا حکم لوگوں کو بتائیں گے''۔[السنۃ: ۲/۴۳۴]

کتاب کے محقق دکتور عطیہ الزہرانی نے اسناد کی توثیق اور متن کی تائید میں لکھا کہ:

''اس کی اسناد صحیح ہے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں''۔

اگر یہی بات ہم کہہ دیں کہ ''ڈاکٹر صاحب'' کی بات بُری، بیکار، بلا سند اور ردی میں پھینکنے کے قابل ہے اور ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہیے، تو شاید ''ڈاکٹر صاحب'' اس کی تاب نہ لاکر آپے سے باہر ہو جائیں، مگر الحمدللہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابتدائے تیسری ہجری کے ایک ایسے امام مجتہد اور محدث سے کہلوائی ہوئی ہے، جن کی جلالتِ شان بلا استثناء تمام مسلمانوں کے علاوہ خود ''ڈاکٹر صاحب'' کو بھی مسلّم ہے۔

ان مذکورہ حوالوں کے بعد طوالت کے خوف سے مزید عبارات ذکر کرنے اور ان پر تجزیہ کرنے کے بجائے صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا جلیل القدر قدیم محدثین ومؤرخین کے علاوہ

آٹھویں صدی ہجری کے مؤرخ وادیب علی بن محمد خزاعی رحمہ اللہ علیہ (متوفی: ۷۸۹ھ) نے'' تخریج الدلالات الشرعیة ''(ص: ۶۳) میں

آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز متکلم، فقیہ اور محدث شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۷۲۸ھ) نے ''مجموع الفتاویٰ'' (۴/۲۴۵) میں،

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مفسر وفقیہ امام قرطبی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۶۷۱ھ) نے ''الجامع للأحکام القرآن'' میں،

چھٹی صدی ہجری کے مشہور فقیہ ومحدث ابن العربی مالکی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۵۴۳ھ) نے ''أحکام القرآن'' میں،

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ ومفسر قاضی محمد بن سلامة قضاعی رحمہ اللہ علیہ (وفات ۴۶۴ھ) نے ''الأنباء بأنباء الأنبیاء وتواریخ الخلفاء وولایات الأمراء (ص: ۱۴۱) میں،

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی کے ربع اول کے مشہور فقیہ وادیب ابن عبد ربہ اندلسی رحمہ اللہ علیہ (وفات: ۳۲۸ھ) نے اپنی عربی ادب کی مشہور کتاب ''العقد الفرید'' (۵/۸) میں،

ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تطهیر الجنان واللسان'' (ص: ۳۸/۳۹) میں

مرکز الاسانید، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "إزالة الخفاء" (۱/۴۷۲) میں،
ماضی قریب کے فنِ رجال کے ماہر مشہور محدث عبدالحیٔ کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے "التراتيب الإدارية" (۱/۱۵۱) میں،

دکتور اکرم ضیاء العمری رحمہ اللہ علیہ نے "عصر الخلافة الراشدة" میں

شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ علیہ نے ''مناهل العرفان في علوم القرآن'' (ص:۲۳۹) میں،

مولانا ابوالحسن الاعظمی نے ''کاتبینِ وحی'' (ص:۱۳) میں

دکتور علاء بکر نے "عقيدة أهل السنة والجماعة" (۱/۹۴) میں

اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے ''علوم القرآن'' (ص:۱۷۹) میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے کتابتِ وحی کا اثبات کیا ہے۔

یہ نا قابلِ تردید صحیح، صریح اور واضح بائیس حوالہ جات ہیں جو ہم نے ماضی قریب کے علاوہ آٹھویں صدی سے لیکر اوائل تیسری صدی ہجری کے قدیم ترین مؤرخین، محدثین، فقہاء اور جلیل القدر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے ذکر کیے ہیں، جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہوئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نہ صرف یہ کہ کاتبِ وحی تھے، بلکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑے لزوم، مواظبت اور انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا اور ہمیشہ اس خدمت کی انجام دہی کی فکر میں رہے۔ اور آپ ﷺ کو بھی ان کی دیانت و امانت پر کامل اعتماد تھا۔

علاوہ ازیں وہ ''یارلوگ'' جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''مسلمان'' بھی سمجھنے کو تیار نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حضرات خلفاء ثلاثہ، امہات المؤمنین اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور ان پر لعن و طعن کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکے، چنانچہ شیعوں کے مشہور ترین اور قدیم ثقہ مؤرخ احمد بن أبي یعقوب (وفات: ۲۵۷ھ) الکاتب العباسی نے ''تاریخ یعقوبی'' (۱/ ۴۰۱،۴۰۲) میں اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے''۔

شیخ محبّ الدین الخطیب نے ''العواصم من القواصم'' کی تعلیق میں وضاحت کی ہے کہ:

حضرات صحابہ کرامؓ اور بالخصوص بنوامیہ سے بغض وکینہ رکھنے والوں سے جب اس بات کا انکار نہ ہوسکا کہ آپ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتابت پر مامور کیا تھا، تو انہوں نے یہ فرق اپنی طرف سے گھڑ لیا کہ انہوں نے خطوط ومعاہدات کی کتابت کی ہے، نہ کہ وحی کی، یہ فرق ان کی ذہنی اختراع، خبثِ باطن کا نتیجہ اور شیطانی القاء ہے، اس پر ان کے پاس کوئی بھی مستند دلیل نہیں، اگر یہ تفریق آپ ﷺ کی طرف سے

ہوتی، تو ناقلین اسے تواتر کے ساتھ ذکر کرتے، جیسا کہ دیگر امور میں اس طرح ہوا ہے۔[۵۹/۵۸]

ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو چیز عقلاً ممکن ہو، اگر اس کے اثبات میں کوئی دلیل نقلی صحیح آ جائے تو اس کے اثبات کا قائل ہونا واجب اور ضروری ہے۔[الانتباھا ت المفیدۃ:۵۷]

اور حضرت معاویہؓ کا کاتبِ وحی ہونا "ڈاکٹر صاحب" کے ہاں بھی عقلاً ممکن ہے اور اثبات پر ہم نا قابلِ تردید ٹھوس دلائل پیش کر چکے، جبکہ نفی پر "ڈاکٹر صاحب" کے پاس کوئی دلیل نہیں، لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "کاتب وحی" قرار دینا واجب اور لازم ہے۔

رہی بات ڈاکٹر مصطفیٰ الاعظمی کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبین وحی میں ذکر نہ کرنے کی، سو "عدم ذکر الشیٔ لا یستلزم عدم وجودہ" یہ ایک مسلمہ اصول ہے، ہاں "ذکر عدم الشیٔ" اور چیز ہے جس کا اثبات "ڈاکٹر صاحب" نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ "ڈاکٹر صاحب" نے آخر میں ایک عقلی دلیل یہ دی کہ:

"حضرت معاویہؓ ظہورِ اسلام کے اکیس سال بعد اسلام لائے اور ان اکیس برسوں میں بہت زیادہ قرآن لکھا جا چکا تھا، یہ کون لکھتا رہا؟ آخر کے دو برسوں میں تو بہت کم قرآن لکھا گیا"۔

"ڈاکٹر صاحب" کا یہ "واویلا" اس وقت کار آمد ہوگا، جب مولانا اورنگزیب "فقیر" نے یہ دعویٰ کیا ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پورے یا اکثر قرآن کی کتابت کی ہے، جب کہ ان کا مدعا تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے، بس! ڈاکٹر صاحب اس بات سے تو بخوبی واقف ہوں گے ہی کہ سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض بنتی ہے، جب کہ موجبہ جزئیہ کی تردید سالبہ جزئیہ سے نہیں ہوتی۔

اب اصولی طور پر "ڈاکٹر صاحب" کا مدعا دو باتوں میں سے کسی ایک کے ثبوت سے ثابت ہوگا:

☆...... یا تو ڈاکٹر صاحب یہ ثابت کریں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

☆...... یا وحی تو نازل ہوئی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی کتابت نہیں کی۔

ڈاکٹر صاحب قیامت تک اِن میں سے کوئی بھی ایک بات ثابت نہیں کر سکتے، اور اس کے بغیر صفحات کے ساتھ اپنا "نامہ اعمال" بھی سیاہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلے میں "ڈاکٹر صاحب کی آخری دلیل جو ان کے زعم میں بہت مضبوط ہے (جبکہ حقیقت میں اس کی حیثیت تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ نہیں، جو صرف "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے مترادف ہے) وہ یہ کہ:

"حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں "جمع قرآن" کی خدمت انجام دینے والے

حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن ابی العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم ہیں، اگر حضرت معاویہؓ بھی کاتبِ وحی ہوتے، تو وہ بھی اس مہم میں شریک ہوتے''۔

عوامی سطح کے لحاظ سے تو یہ یقیناً مضبوط دلیل ہوگی، جب کہ علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے یہ نہ صرف یہ کہ کمزور دلیل ہے، بلکہ اس سے استدلال کرنا بھی انتہائی مضحکہ خیز بات ہے، جس کی وضاحت یہ ہے کہ ''ڈاکٹر صاحب'' نے یہاں ''تلبیس ابلیس'' اور ''خلط بحث'' کا ارتکاب کیا ہے کہ ہماری بحث تو ''کتابتِ وحی'' کے اثبات اور نفی سے ہے اور استدلال جس واقعہ سے کیا جارہا ہے اس کا تعلق ''جمع قرآن'' سے ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ ''عربی زبان اور دیگر علوم پر اتھارٹی کا درجہ رکھنے والے'' ڈاکٹر صاحب اتنی موٹی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں!!!!......کہاں کی بات کہاں سے جوڑ رہے ہیں!!

اگر جمع قرآن کی مہم میں عدم شرکت دلیل ہے، عدمِ کتابتِ وحی پر، تو پھر ''ڈاکٹر صاحب'' سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ تھوڑی سی مزید جرأت کرکے حضرت علی، عثمان، ابوبکر، عمر، ابی بن کعب، حنظلہ بن الربیع، جابر بن سعید بن العاص، خالد بن سعید، ابان بن سعید، العلاء بن الحضرمی، عبداللہ بن سعد بن ابی السرح، زبیر بن العوام، معیقیب بن ابی فاطمہ، عبداللہ بن الارقم الزہری، شرحبیل بن الحسنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی بیک جنبشِ قلم ''کاتبین وحی'' کی فہرست سے خارج فرمادیں، اس لیے کہ یہ تمام حضرات بھی اس مہم میں شریک نہیں تھے، جبکہ قدیم ترین محدثین و مؤرخین نے ان تمام اصحاب کو ''کاتبین وحی'' میں شمار کیا ہے۔

چوتھے اعتراض کا جواب:

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ:

> حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ''اول الملوک'' (اسلام کے پہلے بادشاہ) تھے، خلیفہ نہیں تھے، استدلال حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ''خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی، پھر بادشاہت ہوگی''۔

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے انتہائی ''جانبداری'' کا مظاہرہ کرکے خلافت کے موضوع پر اپنی پسند کی ایک روایت ذکر کرلی اور اس کے مقابل دیگر بہت سی صحیح احادیث چھوڑ دیں، جن میں سے چند ہم ذکر کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کے دوسرے پہلو پر بھی ''غیر جانبدارانہ'' اور تحقیقی طور پر غور کیا جاسکے۔

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

> آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے، جب ایک نبی فوت ہوجاتا دوسرا آجاتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں

گے"۔ [بخاري :۱/۴۹۱]و[مسلم: ۲/۱۲۶]و[شرح السنة :۱۰/۵۵]و [مشكوة: جلد؟ ۳۱۰]و[المصنف لابن شیبہ:۱۵/۵۸]

سماک بن حرب، جابر بن سمرۃ، اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

"دین اسلام بارہ "خلفاء" تک غالب رہے گا اور یہ تمام قریش سے ہوں گے"۔ [دیکھیے: مسلم، رقم الحدیث: ۴۷۰۸، ۴۷۰۹......و......مجمع الزوائد: ۵/۱۹۰......و......مسند احمد: ۲/۸۲]

ان دونوں قسم کی احادیث میں ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے کبار علماء محدثین نے تطبیق کی راہ اختیار کی ہے، چنانچہ! حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباري" (۱۳/۲۶۲)، محقق عینی نے "عمدة القاري" (۲۴/۴۱۹)، علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے "عون المعبود" (۱۲/۳۹۸)، علامہ تفتازانی نے "شرح العقائد" (ص:۳۰۹) اور علامہ احمد بن اسماعیل کورانی نے "الكوثر الجاري" (۴/۱۱۰) میں جو تطبیق بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حدیثِ سفینہ میں "خلافتِ نبوت اور "خلافتِ کاملہ" مراد ہے، جبکہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ و دیگر کی حدیث میں "مطلق خلافت" مراد ہے، جو "خلافت علی منہاج النبوۃ" سے کم درجے کی ہے، لیکن وہ بھی "خلافت" ہی کا فرد ہے، اب تعارض باقی نہ رہا، اس لیے کہ خلافتِ کاملہ اخص ہے، جس کی نفی سے اعم (مطلق خلافت) کی نفی لازم نہیں آتی۔

ہمارا دعوی "مطلق خلافت" کا ہے، جو "امارت"، "ولایت" اور "ملک" کے منافی نہیں، ایک شخص "والی"، "ملک" اور "خلیفہ" ہوسکتا ہے، لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خود کو "اول الملوک" کہنا، ابن حزم کا ان کے عہدِ حکومت کو "ولایت" سے تعبیر کرنا، امام ذہبی کا ان کو "خیر الملوک" کہنا اور ان کا شان و شوکت کے ساتھ رہنا "خلافت" کے منافی نہیں، ان میں سے کسی بات سے بھی ڈاکٹر صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے ڈاکٹر صاحب کو پہلے "مطلق خلافت" اور "ولایت و امارت" میں منافات ثابت کرنا ہوگا، صرف الفاظ و تعبیرات کے زور سے بات نہیں بنتی۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ:

"بیالیس صفحات میں ان کے حالات لکھنے کے بعد ذہبی کا آخری فیصلہ ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"ملحوظ رہے کہ امام ذہبی نے انہیں خلیفہ نہیں، "خیر الملوک" کہا ہے۔"

ان دونوں عبارات کا حقیقت سے کوئی مجازی تعلق بھی نہیں، یہ صرف الفاظ کی بازی گری ہے، اس لیے کہ امام ذہبی نے نہ تو خلافت و ولایت کے موضوع پر بحث کر کے ولایت کو ترجیحاً ذکر کیا ہے، نہ ہی اس موضوع پر مؤرخین کا اختلاف ذکر کر کے ان کے مابین محاکمہ کیا ہے اور نہ ہی "ولایت" کا اثبات کر کے "خلافت" کی

نفی کی ہے کہ اسے ان کا ''فیصلہ'' قرار دیا جائے۔

اور یہ تأثر بھی حقیقت کے بالکل برعکس ہے کہ انہوں نے ''ملک'' کا اثبات اور خلافت کی نفی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے جا بجا اور دیگر مؤرخین نے بھی ان کے عہدِ حکومت پر ''خلافت'' کا اطلاق کیا ہے، جس سے ہمارا یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ ان تمام مؤرخین کے نزدیک ''مطلق خلافت'' اور ''ولایت و امارت'' میں کوئی منافات نہیں۔ ہم ذیل چند عبارات مختصراً ذکر کرتے ہیں:

امام ذہبی نے ''سیر الأعلام'' میں لکھا:

"بايعه أهل الشام بالخلافة "(۳/ ۱۳۷)

اس کے چھ صفحات بعد لکھتے ہیں:

"وأقبلو بعد بيعة معاوية بالخلافة "(۳/۱٤۳)

اس کے تین صفحات بعد لکھتے ہیں:

"وتسلم معاوية الخلافه في آخر ربيع الآخر"(۳/ ۱٤٦)

اسی کے ایک سطر بعد لکھتے ہیں:

"وقال ابن اسحاق :"يويع معاوية بالخلافة" (۳/ ۱٤٦)

بلکہ امام ذہبیؒ کا جو ''حقیقی فیصلہ'' ہے، جو انہوں نے " قـلـتُ " کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس میں بھی ''خلافت'' کا ذکر ہے، جو ایک طویل اقتباس ہے، جسے امام ذہبیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح و منقبت میں ذکر کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس میں قطع و برید کر کے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا ہے۔ ونصه:

"قُلتُ"حسبك بمن يؤمره عمر ......عمل نيابة الشام عشرين سنة، والخلافة عشرين سنة"(۳/ ۱۲۳،۱۳۳)

خلافت کے اثبات کے لیے مزید دیکھیے: "تقريب التهذيب " (ص:۵۳۷)، "الطبقات الكبرى" (۴۰۶/۷)، "تهذيب التهذيب"(۲۰۷/۱۰)، "تهذيب الكمال (۱۷۹/۲۸)، "الإصابه" (۴۳۳/۳)، "الاستيعاب"(۳۹۸/۳)، "تاريخ بغداد"(۲۲۲/۱، ۲۲۴) اور " الكامل في التاريخ "(۳۷۲/۳، ۳۷۴).

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں: " وأما إسلام معاوية وولايته على المسلمين والإمارة والخلافة، فأمر يعرفه جماهير الخلق". [مجموع الفتاوی، ۴/ ۴۷۷]

ابنِ تیمیہؒ کے اس آخری حوالے سے نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے بلکہ اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ''ولایت''، ''امارت'' اور ''خلافت'' میں کوئی منافات نہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مؤرخ ابن خلدون (وفات: ۸۰۸ھ) کے تجزیہ کا حاصل یہ ہے کہ:

''حق یہی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلفاء کی جماعت میں شامل ہیں ،البتہ مؤرخین نے ان کا تذکرہ خلفائے سابقین کے تذکرے سے دو وجوہات کی بناء پر مؤخر رکھا:

ایک یہ کہ انکی خلافت بطریقِ تغلب وجود میں آئی تھی، جب کہ سابقہ خلفاء کی خلافت اختیاری واجتماعی طریقے سے آئی تھی،

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نسب ہونے کی وجہ سے خلفائے بنوامیہ کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلفائے سابقہ کے ساتھ اس لیے رکھا گیا کہ وہ فضیلت میں ان کے قریب تھے''۔

ابنِ خلدون کے اس تاریخی، تحقیقی اور مبنی براعتدال تجزیہ کے بعد ''ڈاکٹر صاحب'' کی یہ شکایت بھی دور ہو جاتی ہے کہ ابنِ حزم نے اپنے رسالے میں تمام اموی حکمرانوں کا تذکرہ ''ولایت'' کے ساتھ کیا ہے اور ان سے سابقین کا تذکرہ ''خلافت'' کے ساتھ۔

پانچویں اعتراض کا جواب:

پانچواں اعتراض اسحاق بن راہویہ کا یہ قول ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں''۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ اگر " لا یصح " سے مراد ''صحیح اصطلاحی'' کی نفی ہو تو یہ بات ہوسکتی ہے، لیکن یہ مضر نہیں اس لیے کہ ''صحیح اصطلاحی'' احادیث کا تو وجود ہی کم ہے، یہی وجہ ہے کہ عام شرعی احکام اور فضائل ''حدیثِ حسن'' سے ثابت ہوتے ہیں، یہی ابنِ راہویہ کی مراد ہے۔ اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں، جیسا کہ ''ڈاکٹر صاحب'' کا مدعا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے، اِس لیے کہ ''حسن'' درجے کی کئی احایث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جو از روئے اسناد صحیح ہیں، اختصاراً یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں پہلی حدیث:

(۱) مسند احمد کی روایت ہے، و نصه :

حدثنا علي بن بحر، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي عميرة الأزدي عن النبي ﷺ أنه ذكر معاوية وقال: اللهم اجعله هاديًا مهديًا و أهد به "(مسند احمد: ۴۲۶/۲۹)

محقق شعیب ارنؤوط سند کی تصحیح اور رجال کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رجاله ثقات ،رجال الصحيح " .

اس کے علاوہ کئی جلیل القدر محدثین نے مختلف طرق سے اس کی تخریج کی ہے، چنانچہ امام بخاریؒ

نے " التـاريخ الكبير " (۲۴۰/۵)،(۳۲۷/۷)،امام ترمذی نے اپنی" جامع " (۳۸۴۲)ابن ابی عاصم نے"الآحـاد والـمثـاني " (۱۱۲۹)،خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ(۲۰۷/۱،۲۰۸)،امام ابوبکر الخلال نے "السنة" (۶۹۹)ابن قانع نے " معجم الصحابة " (۱۴۶/۲)،امام طبرانی نے" الأوسط" (۶۶۰)، ابونعیم اصفہانی نے "حـلية الأولياء " (۳۵۸/۸)،خطیب تبریزی نے"مشـكـوة الـمصابيح" (ص: ۵۷۹)،امام ذہبی نے" تـاريـخ الإسلام " (۳۴۲/۲)،حافظ نورالدین ہیثمی نے"مـوارد الـظـمـآن " (۵۶۶)،ابن سعد نے" الطبقات الكبرى " (۱۳۶/۷)،ابونعیم نے"أخبار أصفهان"(۱۸۰/۱)،ابن الاثیر جزری نے"أسـد الغابة "(۳۸۶/۴)حافظ ابن کثیر نے"البـداية والنهاية "(۱۲۹/۸)ابن عساکر نے" تاريخ دمشق " (۶۸۶/۶)،امام نووی نے" تهـذيب الأسماء واللغات " (۱۰۳/۲،۱۰۴)،ابن ابی حاتم نے اپنی" علل" (۳۶۲/۲)،امام احمد نے "كتاب فضائل الصحابة" (۹۱۳/۲،۱۴)اورابن حجر ہیثمی نے"تـطهيـر الـجنـان "(ص:۱۱،۱۲)میں اس کوذکر کیا ہے،امام ترمذی نے اس حدیث کوحسن قرار دیا ہے،''ڈاکٹر صاحب''اس''حسن'' درجے کی حدیث کوابن الجوزی کے حوالے سے''موضوع کہہ کرآگے چل دیئے،ہم یہاں ڈاکٹر صاحب کی''خیانتوں''اور''حدیث دانی'' کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ابن الجوزی نے دوطرق سے یہ روایت نقل کی،ایک میں''محمد بن اسحاق''اوردوسرے میں''اسماعیل بن محمد''پرکلام کرکے اسے رد کردیا،ہماری روایت میں یہ دونوں راوی نہیں،ایک طریق کا حکم لے کردوسرے پرچسپاں کرنا خالص''علمی افتراء''،''تلبیس ابلیس''اور''تحقیقی خیانت'' ہے۔

۲۔ابن الجوزی نے" لایصحان "کہا تھا،جواَعم ہے" مو ضوع " سے،حدیث کاادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہر''موضوع'' حدیث ''لا يصح ''ہوتی ہے،جب کہ ہر''لا يصح '' حدیث''موضوع''نہیں ہوتی،لہٰذا اسے''موضوع'' قرار دے کراس کی نسبت ابن الجوزی کی طرف کرنا''نرابہتان''اور''خالص افتراء'' ہے۔

۳۔علیٰ سبیل التسلیم ''موضوع'' مان لینے سے یہ حکم اسی طریق کا ہوگا،جسے ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے باقی پر یہ حکم بوجہ عدمِ وجودِ علت نہیں لگے گا۔

۴۔پھراس سے زیادہ سے زیادہ مذکورہ طریق ہی''موضوع'' کہلائے گا،نفسِ حدیث کا موضوع ہونا پھر بھی کسی صورت ثابت نہیں ہوتا۔

۵۔ڈاکٹر صاحب کا''مبلغ علم'' دیکھیے کہ دیگر تمام جلیل القدر محدثین کرام کی تصحیح،تحسین وتوثیق کویکسر نظر انداز کرکے صرف ابن الجوزی کی بات پر(اوراسکی حقیقت بھی ہم واضح کرچکے)اعتماد کرکے ایک صحیح حدیث

کو رد کر دیا۔

(۶) ڈاکٹر صاحب کو "سير الأعلام " کے بیالیس صفحات میں یہ حدیث نظر نہیں آئی ؟!!

(۷) امام ذہبیؒ نے اس موضوع پر اکیس ''موضوع'' احادیث کی نشاندہی "سير الأعلام " میں کروائی ہے، ان میں مذکورہ حدیث کو شمار نہیں کیا۔(سير الأعلام : ۱۲۸/۳۔۱۳۱)

اس اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے:

۱۔ حضرات محدثین کرام وماہرینِ علومِ حدیث کے نزدیک علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا شمار ''متشددین'' میں ہوتا ہے، جو جرحِ راوی اور تضعیفِ راویت میں سختی سے کام لیتے ہیں۔(قواعد في علوم الحديث، ص: ۱۸۸) و(الرفع والتكميل، ص: ۳۲۰، ۳۲۱)

۲۔ ان حضرات (جن کا شمار ''متشددین'' میں ہوتا ہے) کی جرح کا حکم یہ ہے کہ ان کی جرح اس وقت مقبول ہوگی، جب دیگر محدثینِ کرام نے ان کی موافقت کی ہو اور مقابلے میں کسی اور محدث سے توثیق منقول نہ ہو، یا اگر توثیق بھی منقول ہو تو پھر جرح مفسر ہو، ورنہ ان کی جرح محدثین کے ہاں معتبر نہیں۔(قواعد في علوم الحديث، ص: ۱۸۸-۱۹۰)

۳۔ ثقہ محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق اسی تشدد وافراط کے نتیجہ میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند أحمد، مستدرك حاكم، السنن الكبرىٰ، شعب الإيمان، دلائل النبوة، صحيح ابن حبان، صحيح ابن خزيمة، سنن الدارقطني، اور مسند دارمي کی بعض ضعیف ،بعض حسن، بلکہ بعض ''صحیح'' درجے کی احادیث پر بھی کلام کیا ہے اور اسے ''موضوع'' قرار دیا ہے۔ نیز! حضراتِ محدثین کرام نے ایسی تمام احادیث کی باقاعدہ نشاندہی کی ہے اور انہیں شمار کیا ہے، جن کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے۔(تدريب الراوي: ۲۷۸/۱)، (منهج النقد، ص: ۲۹۷، ۲۹۸)، (الأجوبة الفاضلة، ص: ۱۶۳، ۱۶۹).

۴۔ اسی وجہ سے کئی جلیل القدر محدثین کرام نے علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اس صنیع پر خوب تعاقب کیا ہے، جسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی "اللآلي المصنوعة" ، "ذيل اللآلي المصنوعة"، "النكت البديعات"، اور شروح سنن "أبي داؤد، نسائي و ابن ماجة" وغیرہ میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "القول المسدد" اور "الخصال المكفرة" میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی "تلخيص كتاب الموضوعات" اور'' تلخيص العلل المتناهية" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۵۔ محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی مذکورہ تسامحات کے دو سبب

ہیں:

الف: کسی راوی پر کسی محدث کی جرح ہوتی ہے (اگرچہ یسیر ہو) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اسی کو مدار بنا کر روایت کو رد کردیتے ہیں اور اس راوی کے حق میں دیگر محدثین کرام کے توثیقی وتعدیلی کلمات کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

ب: دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی روایت کے کسی ایک طریق پر محدثین کرام نے ''وضع'' کا حکم لگایا ہوتا ہے، جب کہ اسی روایت کے دیگر صحیح طرق بھی موجود ہوتے ہیں، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ مغالطہ میں پڑ کر ''مطلق متن'' پر ''وضع'' کا حکم لگا دیتے ہیں، جس کی زد میں ''صحیح طُرق'' بھی آجاتے ہیں، حالانکہ دیگر محدثینِ کرام کا کلام نہ ''مطلق متن'' اور نہ ہی دیگر ''صحیح طرق'' پر ہوتا ہے۔

۶۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے اس افراط وتفریط کی شہادت علامہ سیوطی، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی، حافظ انصاری، حافظ عراقی، امام نووی، حافظ ذہبی اور دیگر جلیل القدر محدثینِ کرام رحمہم اللہ نے دی ہے۔

مذکورہ حدیث پر جو کلام علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ بھی ان کے جملہ اوہام اور تسامحات میں سے ہے، جس کی تصریح حافظ ذہبی نے ''تلخیص العلل المتناهية'' میں کی ہے، چناں چہ! علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے ایک طریق میں ''محمد بن اسحاق لؤلؤی'' نامی راوی پر کلام کیا ہے، حافظ ذہبی نے یہاں ابن الجوزی کو ہونے والے مغالطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''قال ابن الجوزي: مداره على محمد بن إسحاق اللؤلؤي، ولم يكن ثقة، وهذا جهل منه؛ فإنما محمد بن إسحاق هنا أبو بكر الصاغاني، ثقة''. (تلخيص العلل المتناهية، ص:۹۳)

یعنی ابن الجوزی نے یہاں لاعلمی اور مغالطہ سے مذکورہ راوی کو ''محمد بن اسحاق لؤلؤی بلخی'' سمجھا ہے، جس پر انہوں نے جرح نقل کی ہے، حالاں کہ یہ محمد بن اسحاق ''ابوبکر صاغانی'' ہیں اور یہ ''ثقہ'' راوی ہیں۔

پھر علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق میں ''اسماعیل بن محمد'' نامی راوی پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

قال الدارقطني: إسماعيل بن محمد ضعيف كذاب''.

حافظ ذہبی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے فرمایا:

وهذه بلية أخرىٰ، فإنما إسماعيل هنا هو الصفار-ثقة- والذي كذبه الدارقطني هو المزني، يروي عن أبي نعيم''. (تلخيص العلل المتناهية، ص: ۹٤)

یعنی یہ دوسری مصیبت ہے اس لیے کہ یہاں روایت میں جو ''اسماعیل بن محمد'' نامی راوی ہیں، یہ ''اسماعیل بن محمد الصفار'' ہیں، جو ایک ''ثقہ'' راوی ہیں۔ اور ابن الجوزی نے امام دارقطنی کے حوالے سے جن کی

تکذیب نقل کی ہے، وہ ''اسماعیل بن محمد المزنی'' ہیں، جو ''ابونعیم'' سے روایت کرتے ہیں۔

اس تحقیقی جواب کی تفصیل کے لیے دیکھیے: "معرفة أنواع علم الحديث" (ص:٢٠٤)، "تنزيه الشريعة المرفوعة" (١٠/١)، "فتح المغيث" (٢٧٥/١، ٢٧٦)، "قواعد في علوم الحديث" (ص:١٨٨-١٩٠)، "الرفع والتكميل في الجرح والتعديل" (ص: ٣٢٠، ٣٢٥)، "تدريب الراوي" (٢٧٨/١، ٢٧٩)، "منهج النقد في علوم الحديث" (ص: ٢٩٧، ٢٩٨)، "الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة" (ص:١٦٣-١٧١) اور "تلخيص العلل المتناهية" (ص: ٩٣، ٩٤).

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں دوسری حدیث:

دوسری حدیث حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما''۔ دیکھیے:

"مسند أحمد" (١٢٧/٤)، "مجمع الزوائد" (٣٥٦/٩)، "كتاب فضائل الصحابة للأمام أحمد" (٩١٣/٢، ٩١٤)، "موارد الظمآن" (ص: ٥٦٦)، "كتاب المعرفه والتاريخ للبسوي (٣٤٥/٢)، "أنساب الأشراف للبلاذري" (١٠٧/٤)، "تاريخ دمشق" (٦٨٣/١٦)، "تاريخ الإسلام للذهبي" (٣١٨/٢)، "الاستيعاب" (٣٨١/٣)، "البداية والنهاية" (١٢٠/٨)، "الإصابة" (٣٨٥/١، ٣٨٦)، "كنز العمال"
(١٩٠/٦)، (٨٨/٧)، "جزء الحسن بن عرفة العبدي" (رقم الحديث :٣٦، ٦٦) بحواله سيرت امير معاويه رضى الله عنه، از مولانا محمد نافع مد ظله، (١١٢/١)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں تیسری حدیث:

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''معاویہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا مت کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے: ''اے اللہ! انہیں ہدایت نصیب فرما''۔ دیکھیے:

"سنن الترمذي" (ص: ٥٤٧)، " التاريخ الكبير للبخاري" (٣٢٨/٤)، "البداية والنهاية" (١٢٢/٨)، " تاريخ دمشق "(٦٨٦/١٦) .

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چوتھی حدیث:

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو حضرت معاویہ نے فرمایا: میرا شکم آپ ﷺ کے نزدیک ہے، تو اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اسے علم و حلم سے پُر فرما''۔

دیکھئے: "التاريخ الكبير للبخاري" (١٨٠/٤)، "علل الحديث لابن أبي حاتم" (٢/

۳۵۹)،"تـاريـخ الإسـلام لـلذهبي"(۲/ ۳۱۹)،"تاريخ دمشق"(۱٦/ ٦۸۸)بحواله سيرت معاويه رضی الله عنه ،از مولانا محمد نافع مد ظله ، (۱/ ۱۱۵)

ابن عساکر نے "تـاريخ دمشق" میں ''نفی فضیلتِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد روایات میں سے اصح ترین ہیں، ونصه:

"أصح ماروي في فضل معاوية، حديث أبي حمزة عن ابن عباس أنه "كان كاتب النبي ﷺ"، فقد أخرجه مسلم في صحيحه، وبعده حديث،" اللهم علمه الكتاب والحساب"، وبعده حديث ابن أبي عميرة : "اللهم اجعله هادياً مهدياً"(۱٦/ ٦۹۷)

اسی کو ابن عراق کنانی نے بھی ''تـنزيه الشريعة''میں علامہ سیوطی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔(تنزيه الشريعة :۲/۸، ذيل اللآلي للسيوطي ،ص: ۷۵)

حافظ ابن کثیر مندرجہ بالا احادیث پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

''ہم نے اس مسئلہ میں موضوع ومنکر روایات سے احتراز کر کے صرف صحیح ،حسن اور جید روایات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے''۔(البدایۃ والنہایۃ:۱۲۲/۸)

نیز آپ ﷺ نے پہلا بحری جہاد کرنے والے لشکر کو جنت کی خوشخبری دی ہے (بخاری، کتاب الجہاد: رقم:۲۹۲۴)اور محدثین ومؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی بار غزوہ (جسے ''غزوہ قبرص'' کہا جاتا ہے) ۲۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں پیش آیا۔

اب ڈاکٹر صاحب پر اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے اصولی طور سے لازم ہے کہ وہ ہماری ذکر کردہ پانچوں ''صحیح احادیث'' کو جملہ طرق کے ساتھ، ''موضوع'' ثابت کریں، اس لیے کہ ایک طریق کی صحت سے بھی فی الجملہ مضمون کا ثبوت ہو جاتا ہے اور صرف ''ضعیف'' ثابت کرنے سے بھی بات نہیں بنے گی کہ ''باب الفضائل'' میں ضعیف حدیث تین شرائط کے ساتھ مقبول ہے، پھر تعدد طرق سے تو وہ بھی قوی ہو جاتی ہے۔

اب اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ "مطاعن" کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے پہلے طعن کا جواب

۱۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنانا ،حمص کی ولایت انھیں سپرد کرنا ،بعد ازاں شام کے تمام علاقے ونواحی ان کی امارت میں دینا اور اپنے دورِ خلافت کے آخر تک انہیں برقرار رکھنا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی ان سے یہی معاملہ برقرار رکھنا ظاہر ہے کہ اسی کو ''اعتمادِ خاص'' کہا جاتا ہے۔

رہی بات دُرّے مارنے والے واقعے کی، سو وہ ایک جزوی واقعہ ہے جو نہ ''اعتمادِ خاص'' کے منافی ہے اور نہ ہی ''نفی فضیلت'' کو مستلزم ہے، پھر یہ ان حضرات کا ''غایتِ تقویٰ'' اور ''کمال'' تھا کہ ذرا سی بات پر بھی فوراً گرفت فرماتے ،ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ''جلالی شان'' بھی اگر مدنظر رکھیں تو بات واضح ہو

جاتی ہے، کئی احادیث میں ان کا یہ مقولہ مذکور ہے:

"دعني يا رسول الله ﷺ! أضرب عنق هذا المنافق"،

اسی تناظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کو بھی دیکھ لیا جائے کہ

''یہ اللہ کا اقتدار ہے وہ نیک کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی''،

پھر کسی بھی صحابی سے متعلق ''معصومیت'' کا دعویٰ ہم نے کب کیا ہے؟! ان سے بڑی بڑی غلطیاں سر زرد ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مغفرتِ کاملہ فرمائی، حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم "،(مسلم، رقم: ٤٤٣١)

لیکن ڈاکٹر صاحب اب بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔

"سير الأعلام" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر''،

لیکن آپ ﷺ کا یہ مبارک ارشاد یاد نہیں

"الإسلام يهدم ما كان قبله"،

یہ کہاں کی تحقیق ہے؟ ''رافضیت نوازی'' اور کس چیز کا نام ہے؟!

ڈاکٹر صاحب کے دوسرے طعن کا جواب:

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کی مدح سرائی میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''تم قیصر و کسریٰ کی دانائی اور زیرکی کا ذکر کرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی موجود ہیں''۔

کبھی فرماتے:

''تم ہرقل اور کسریٰ کی ہوشمندی و ہوشیاری سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو''۔

بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

''دانائی اور زیرکی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو عربوں کے کسریٰ ہیں''۔ دیکھیے: "الكامل في التاريخ "(٣/ ٣٧٣)،"تاريخ الإسلام "(٢/ ٣٤٣)،"البداية والنهاية"(٨/ ١٣٢).

لیکن ڈاکٹر صاحب نے جب ''تعصب'' (بلکہ رافضیت) کی عینک سے مطالعہ کیا، تو انہیں یہ منقبت بھی مذمت نظر آئی، نتیجۃً اس کا جو مفہوم بیان کیا، وہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

ڈاکٹر صاحب کے تیسرے طعن کا جواب:

۳۔ "لاأشبع اللــه بطنـه" کے جواب سے قبل ڈاکٹر صاحب کے اس ضمن میں چند ''تسامحات'' کی نشاندہی ضروری ہے:

(۱) ابتداءً حوالہ ''مسند احمد'' کا دیا گیا ہے، حالانکہ اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے اور نہ ہی بددعا کا۔

(۲) مسند احمد میں ''و کـــان کـــاتبـه'' (کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے،) بھی مذکور ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(۳) آپ ﷺ نے انہیں کتابتِ وحی کے لیے بلایا تھا۔

(۴) تین مرتبہ بلائے جانے اور بددعا کا ذکر "سیر الأعلام" (۱۲۳/۳) اور "البـدایة والنهایة" (۱۲۶/۸) میں ہے، جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے، لیکن دونوں جگہ ''و کـــان یـکتـب الوحي'' کی تصریح ہے اور دونوں حضرات نے اس کے بعد انتہائی بہترین ومناسب توجیہ بھی ذکر کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے دعا ہے، بددعا نہیں۔ یہ دونوں باتیں بھی ''ڈاکٹر صاحب'' کی ''دیانت'' کی نذر ہو گئیں۔

اب اصل جواب کی طرف آتے ہیں، وہ یہ کہ حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' میں جو اصل واقعہ مذکور ہے، اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے، نہ بددعا کا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی راوی کا اپنا ادراج ہے، البتہ مزید تتبع سے ''مسلم'' میں بھی یہ روایت ملی، وہاں دو مرتبہ کا ذکر ہے اور مذکورہ بددعا کا بھی۔

علامہ بلاذری نے "أنساب الأشراف" میں لکھا:

"قال أبو حمزة:فکان معاویة بعد ذلك لا یشبع". (۴/ ۱۰۶)

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ راوی ابوحمزہ (جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں) کا ادراج ہے، یہ ابوحمزہ عمران بن ابی عطاء الأسدی الواسطی ہیں، ایک متکلم فیہ راوی ہیں، علمائے رجال نے ان پر نقد وکلام کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے:

"المغني في الضعفاء"(۲/ ۱۳۶)،"کتاب الضعفاء الکبیر"(۳/ ۲۹۹)،"میزان الاعتدال"(۳/ ۲۳۹)،"الجرح والتعدیل" (۶/ ۳۸۷)،"تهذیب الکمال "(۲۲/ ۳۴۳)،"تهذیب التهذیب" (۸/ ۱۳۶)،"تقریب التهذیب "(ص: ۴۳۰).

ان کی تضعیف یا توثیق سے متعلق حتمی رائے قائم کرنا تو مشکل ہے، البتہ امام نووی کی تصریح کے مطابق اتنی بات متفق علیہ ہے کہ ان کی صرف ایک ہی روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہے، جو مسلم اور مسند احمد

میں ہے اور اس میں ان کی متابعت کوئی نہیں، (شرح النووی: ۱۶/۳۷۱)۔

حاصل یہ ہے کہ یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول بغیر متابعت کے لائقِ اعتناء نہیں ہوتا، پھر روایت پر نقد وکلام سے قطع نظر اس جملہ کا صحیح محمل موجود ہے، وہ یہ کہ یہ ''ثَـكِـلَتْكَ أمُّكَ''، ''تـرِبت يداك'' اور ''على رَغمِ أنفكَ'' کے قبیل سے ہیں، جو بغیر کسی قصد کے صادر ہوتے ہیں، اس توجیہ کو امام نووی نے اختیار کیا ہے۔ (شرح النووی: ۱۶/۳۷۱)

امام ذہبی نے '' سیـر الأعـلام '' میں یہ مطلب بیان کیا کہ ''اللہ ان کو شکم سیری نہ دے، تاکہ قیامت کے دن انہیں بھوک کی تکلیف نہ ہو''۔ (۳/۱۲۳)

اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

'' جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہوگا، وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکا ہوگا''۔ (ترمذی :۲۴۷۸) و (ابن ماجہ: ۳۳۵۰) و (ابن ابی الدنیا فی الجوع: ۲/۲) و (مجمع الزوائد: ۵/۳۱)

تیسری توجیہ: امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے پہلے یہ حدیث ذکر کی کہ:

''اے اللہ! میں اگر کسی بھی شخص کو ایسی بددعا دوں، جس کا وہ مستحق نہ ہو، تو اس بددعا کو اس کے لیے گناہوں سے پاک کرنے، تزکیہ اور قربت کا ذریعہ بنا''۔

پھر اس سے متصل ہی مذکورہ حدیث کو لا کر استنباط کیا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے پہلے فرمان کے مطابق در حقیقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا ہے، (شرح النووی: ۱۶/۳۷۱)، اسی کو امام ذہبی نے ''سیـر الأعلام'' (۳/۱۲۴) اور حافظ ابن کثیر نے '' البـدایة والـنهـایة'' (۸/ ۱۲۶، ۱۲۷) میں اختیار کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب اسے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ''ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است''۔

ڈاکٹر صاحب کے چوتھے طعن کا جواب:

۴۔ رہی بات بخاری ومسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی باب نہ باندھنے کی، سو اس کے جواب میں اولاً یہ عرض ہے کہ کسی فضیلت کے ثبوت کو بخاری ومسلم پر موقوف کرنے کا ''نرالہ معیار'' چودہ صدیوں میں سے کس مفسر، محدث، محقق یا فقیہ کا ہے؟

کیا بخاری میں تمام صاحبِ مناقب صحابہ کے مناقب وفضائل موجود ہیں؟؟!!

وثانیاً:'' عدم ذكر الشيء لايستلزم عدم وجوده ''جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

وثالثاً: ایسا ہے بھی نہیں، بلکہ مسلم کے حوالے سے تو ہم ابھی ذکر کر چکے اور امام بخاری نے اگر ''صحیح بخاری'' میں مناقب بیان نہیں کیے تو ''التاریخ الکبیر'' بھی تو انہی کی کتاب ہے۔

رہی بات امام بخاری کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات کو ''ذکرِ معاویہ'' کے عنوان سے ذکر کرنے کی، سو یہ اگر ''نفی فضیلت'' کو مستلزم ہے، تو ڈاکٹر صاحب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ عباس بن عبد المطلب، ابوالعاص بن الربیع، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عباس، جریر بن عبداللہ البجلی، حذیفہ بن الیمان، اور ہند بن عتبہ بن ربیع رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل ومناقب کا بھی انکار کردیں، یہ الزامی جواب ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''تفنن فی الکلام'' کی غرض سے ایسی تعبیرات اختیار کرتے ہیں، کذا في "الناهية "(ص:۳۴)۔

ڈاکٹر صاحب کے پانچویں طعن کا جواب:

۵۔ ڈاکٹر صاحب نے جو آخری طعن ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں وارد روایات کو مَن گھڑت اور موضوع قرار دیا ہے، پھر آخر میں اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

جہاں تک بات ہے اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کے کلام کی، تو اس کا جواب سابق میں ہم تفصیل و تحقیق کے ساتھ دے چکے ہیں، رہی بات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی، سو اس میں یہ یقین نہیں کہ وہ ''مَن گھڑت'' فضائل کون سے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب جب تک یہ ثابت نہ کریں کہ ان ''مَن گھڑت'' فضائل سے وہی مراد ہیں، جو ہم نے سابق میں احادیث کی معتبر کتب سے محدثین کرام کی تحسین وتوثیق کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اس وقت تک ان کا مدعا ثابت نہیں ہوگا اور یہ ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب کو بلا مبالغہ صدیاں درکار ہیں۔

لیکن ان کی سہولت کے لیے ہم خود ہی ثابت کردیتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فضائل نہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں متعدد موضوع روایات اس کے علاوہ ہیں، جو ہم ذکر کرچکے، جیسا کہ حافظ ذہبی کی "سیر الأعلام" کے حوالے سے اکیس روایات کا حوالہ گزرا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بھی وہی دیگر موضوع روایات ہیں، نہ کہ وہ جو ہم نے ذکر کیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ روایات کو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "مسند أحمد" اور "کتاب فضائل الصحابة'' میں ذکر کیا ہے، اگر ان کی مراد یہی روایات ہیں، تو پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیوں ان فضائل کو ذکر کیا؟؟؟!!

ڈاکٹر صاحب نے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ تو ذکر کیا تھا:

"ولاخلاف أن أبا سفيان ومعاوية أسلما في فتح مكة سنةثمان".

لیکن ابنِ قیم کا یہ فیصلہ نظر انداز کر گئے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں''، ونصہ: "ومن ذلك الأحاديث في ذم معاوية رضي الله عنه، وكل حديث في ذمه فهو كذب".

(المنار المنيف في الصحيح والضعيف، ص:۱۱۷)

ہم نے اپنی اس تحریر میں حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے، ان شاء اللہ تفصیل مستقل رسالے کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

یہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے صحیح حالات، ان میں سے بہت سے گوشے ابھی تفصیل طلب ہیں، یہاں صرف ''ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی'' کی ''علمی خیانتوں''، ''قطع وبرید''، ''تلبیس ابلیس''، ''تحریفات''، ''غلط بیانیوں'' اور ''رافضیت نوازی'' کی نشاندہی کر کے اس کا پردہ چاک کیا گیا ہے، عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ''سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابی رسول ہیں، ۷ھ میں مشرف با سلام ہوئے، صحیح احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ سے ان کے حق میں کئی دعائیں منقول ہیں، ان کا شمار سرِ فہرست ''کاتبین وحی'' میں ہوتا تھا، حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنھما کے دورِ خلافت میں بیس (۲۰) سال تک شام کے ''امیر'' (گورنر) رہے۔ اس کے بعد بیس (۲۰) سال تک ''خلیفہ'' رہے، کم وبیش آدھی دنیا پر (اسلامی نظام نافذ کر کے) حکومت کرنے کے بعد ۶۰ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر دارِ بقاء کی طرف منتقل ہو گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون. ☆☆☆☆

مولانا عبدالجبار سلفی قسط:۳

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی خدمت میں

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ جنہوں نے شیعہ عالم علامہ ابن مطہر حلّیؔ کی کتاب ''منہاج الکرامۃ'' کے جواب میں چار جلدوں پر مشتمل علم افروز اور شہرہ آفاق کتاب ''منہاج السنۃ'' رقم فرمائی تھی جس کی بناء پر علامہ حلّی، اولجائیو خدابندہ جیسے بادشاہوں کی نوکری کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ تقلید شخصی کے متعلق فرماتے ہیں کہ تقلید کو بازیچہ اطفال بنا کر دین پر عمل پیرا ہونے والے لوگ جو کبھی کسی امام کا فتویٰ لے لیتے ہیں اور کبھی کسی کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، بالکل ناجائز ہے۔ لکھتے ہیں:

''یکونون فی وقت یقلدون من یفسده، وفی وقت یقلدون من یصححه، بحسب الغرض والھویٰ، و مثل ھذا لایجوز باتفاق الائمة. [الفتاوۃ الکبریٰ: ۲/۲۸۵]

ایسے لوگ کبھی تو اس کی مانیں گے جو نکاح کو فاسد کہتے ہیں اور حسب موقع اس کی پیروی کرنے لگ پڑیں گے جو نکاح کو جائز کہتے ہوں گے، اور یہ سب کچھ ہوی پرستی کی بنیاد پر ہوگا، یہ عمل باتفاق ائمہ ناجائز ہے۔''

علامہ مازریؒ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم اور ترجمان تھے، مالکی فقہ کی کتب میں ان کا نام نامی بہت عظمت واجلال کا مظہر نظر آتا ہے حتیٰ کہ علامہ شاطبیؒ اکثر مواقع پر اپنی بات اور دعوے کو مضبوط کرنے کے لئے ان کا حوالہ دیتے نظر آتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''إن الورع قل بل كاد يعدم والتحفظ على الديانات كذلك، و كثرت الشهوات، و كثر من يدعى العلم ويتجاسر على الفتوىٰ فيه، ولو فتح لهم باب فى مخالفة المذهب لا تسع الخرق على الراقع، وهتكوا حجاب هيبة المذهب، وهذا من المفسد ات التى لاخفاء بها.

[الموافقات للشاطبی: ۴/۱۴۶]

ترجمہ: زہد وتقویٰ بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے، خواہشات کی بڑھوتری کی بناء پر دیانت قائم کرنے کا احساس ختم ہو رہا ہے۔ مدعیان علم ایسے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جو فتویٰ دینے میں نہایت جری ہیں۔ اگر لوگوں کے لئے ایک فقہ سے نکلنے کی گنجائش دی جائے تو پیوند زدہ تار اور ٹوٹ جائیں گے، لوگ مذہب کا پردہ چاک کرتے پھریں گے اور تقلید شخصی کو کمزور کرنے میں وہ مفسدات ابھریں گے جو پردہ اخفاء میں نہیں۔''

اسی طرح علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

''ثالثهما أن العامي يجب عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث. [تفسیر کبیر:۳/۳۷۲]

تیسری بات یہ ہے کہ عام آدمی کے لئے روز مرہ کی زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں علماء کی تقلید واجب ہے۔''

علامہ رازیؒ کے علمی طمطراق سے کون ناواقف ہے؟ بر و بحر ان کے تذکروں سے چھلک رہے ہیں۔شیعہ عالم علامہ نصیر الدین طوسی، جنہیں علامہ ابن تیمیہؒ ''منہاج السنۃ'' میں نصیر الکفر طوسی کے نام سے ذکر کرتے ہیں پر علامہ رازیؒ کے نام کی ہیبت ساری عمر سوار رہی اور وہ اپنے حواریوں میں علامہ رازیؒ پر بہتان طرازیوں اور تحریص کے ذریعے نفس امارہ کو تسکین دیتے ہیں جیسا کہ مرزا تنکابنی علامہ طوسی کے احوال میں لکھتے ہیں:

''خواجہ (نصیر الدین) سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ امام فخر رازی اتنے باہوش وخرد ہونے کے باوجود سنی رہ گئے؟ تو جواب دیا کہ امام فخر سنی نہیں ہوا بلکہ ایک سنی امام فخر بن گیا۔یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام فخر نے پہلے تحصیل علم کی اور پھر تمام ادیان کی چھان بین کرنے کے بعد اہل سنت کا مذہب اختیار کیا، بلکہ وہ پیدائشی سنی تھے اور آباواجداد کا دین رکھتے تھے۔اس کے بعد فاضل عالم ہوئے لیکن آباؤ اجداد کے دین سے بے پناہ لگاؤ اور عصبیت نے ان کو اپنا مذہب تبدیل نہ کرنے دیا کہ وہ شیعہ ہو جائیں۔'' (قصص العلماء۔از مرزا تنکابنی شیعہ، صفحہ نمبر ۳۱۴)

خیر یہ تو ایک پھکڑ ہے جو عموماً شیعہ علماء کا وظیفہ حیات ہوتا ہے ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ امام رازیؒ جن کے علم وفضل پر اہل علم کا اتفاق ہے وہ شخصی تقلید کے حوالے سے کس پیرائے میں امت کی راہنمائی فرما رہے ہیں؟ اسی طرح علامہ نوویؒ اس ضمن میں اپنی رائے یوں پیش فرماتے ہیں:

'' ووجهه أنه لو جاز اتباع أيّ مذهب شاء، لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعًا هواه و يتخير بين التحليل و التحريم و الوجوب والجواز، وذلك يودى إلى انحلال ربقة التكليف، بخلاف العصر الأول، فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذ بة وعرفت، فعلىٰ هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين. [المجموع شرح المهذب:۱/۹۱]

ترجمہ: فقہ کے اختیار کرنے میں اگر ہر انسان صاحب اختیار ہو کہ وہ جب چاہے اور جس کی چاہے تقلید کرے تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کا لحاظ کر کے سارے فقہی مذاہب کی آسانیاں چن لے گا اور حلت وحرمت، وجوب وجواز سب کو بدلتا پھرے گا۔نتیجتاً احکام شریعت کی پابندیاں کھل جائیں گی اور یہ پہلے زمانہ کے خلاف ہے کیونکہ تب فقہی جزئیات مدون ومرتب نہ ہوئی تھیں۔اب تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری کوشش کھپا کر ایک فقہی مذہب چن لے اور پھر معین طور پر اس کی تقلید کرے۔''

قارئین کرام!

گزشتہ بحث میں ہم مولنا صلاح الدین یوسف صاحب کا یہ ارشاد نقل کر آئے ہیں کہ آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے تحت علماء دین کی طرف مراجعت تو ضروری ہے لیکن تقلید شخصی ضروری نہیں۔ اور اس ضمن میں ہم مولانا موصوف کی تضاد بیانی پر بھی تبصرہ کر چکے ہیں۔ اسلافِ امت کی آراء وعمل کے بعد جب ہم اہل حدیث علمائے کرام اور اپنے مخاطب کا طرز عمل دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان دوستوں کو ابھی تک محل اختلاف کا ہی علم نہیں کہ ہم اہل تقلید سے آخر کس بات پر جھگڑ رہے ہیں؟ ماضی کے اکابر اہل حدیث محل اور سبب اختلاف سے تو کم از کم آشنا رہے جس کی وجہ سے ان کی فکر ونظریہ متعدل اور مزاج محبت آمیز رہا۔ اب اہل حدیث دوستوں کا مزاج، ماشہ تولہ ہو گیا ہے۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ تقلیدِ مطلق، تقلید شخصی، اجتہاد، تاریخ تقلید یا تلفیق جیسی ابحاث تو ایک طرف رہ گئیں۔ فقط امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اسم گرامی سنتے ہی دوستوں کو کانٹا چبھ جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اہل حدیث بھائی تقلید شخصی کے قائل تو نہیں البتہ ''بغض شخصی'' پر خوب عمل پیرا ہیں۔ اس لئے تو مولانا داؤد غزنویؒ نے رنجیدہ ہو کر کہا تھا:

> ''مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہؒ، ابوحنیفہؒ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کے عالم گردانتا ہے، جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد ویکجہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ یا غربة العلم إنما اشكوا بثي وحزني إلى لله.''

[حضرت مولانا داؤد غزنویؒ، ص:۱۳۶، اکتوبر ۱۹۹۴ء]

یہ حوالہ صرف سخن فہم حضرات کے لیے ہے ورنہ مولانا یوسف صاحب کو ''قول شخصی'' کہہ کر ٹھکرا دینے کا پورا اختیار ہے۔ بغض وعداوت کی جڑیں بہت گہرائی میں ہوتی ہیں کیونکہ نفرت، نفرتوں کو جنم دیتی ہے۔ بر سبیل تنزل عرض کرتے چلیں کہ ایک بار تہران کی کسی کانفرنس میں اہل حدیث فاضل مولانا بشیر الرحمٰن مستحسن نے اتحادِ امت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے نہایت عجیب فارمولہ پیش کیا تھا۔ اختر کاشمیریؔ لکھتے ہیں:

> ''سیشن کے آخری مقرر گوجرانوالہ کے اہل حدیث عالم مولانا بشیر الرحمٰن مستحسنؔ تھے، مولانا مستحسن بڑی مستحب قسم کی چیز ہیں، علم محیط اور جسم بسیط کے مالک، ان کا اندازِ تکلم جدت آلود اور گفتگو رف ہوتی ہے۔ فرمانے لگے، اگر آپ صدقِ دل سے اتحاد چاہتے ہیں تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا جو ایک دوسرے کی دل

آزاری کا سبب ہیں۔ہم "بخاری" کو آگ میں ڈالتے ہیں اور آپ "اصول کافی" کو نذر آتش کریں۔آپ اپنی فقہ صاف کریں، ہم اپنی فقہ صاف کرتے ہیں۔(اختر کاشمیری لکھتے ہیں) ممکن ہے اس تجویز پر ہر چیز کا صفایا ہو جاتا کہ مولانا (عبدالقادر) آزاد نے مداخلت کر کے بخاری اور اصول کافی کو نذر آتش ہونے سے بچا لیا"۔(آتش کدہ ایران، طبع اول فروری ۱۹۸۴ء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقلید شخصی کی ضرورت و اہمیت اور تاریخ کو محض چند سطور میں سمو دیا ہے، رقم فرماتے ہیں:

"لأن الناس لم يزالوا من زمن الصحابةؓ إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير يعتبر إنكاره، و لو كان ذلك باطلًا لأنكروه. [عقد الجيد:۲۹]

ترجمہ: زمانہ صحابہ کرامؓ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظاہر ہونے تک لوگوں کا جس پر بھی اتفاق ہوتا، تقلید کرتے رہے۔اور بغیر کسی قابل اعتبار انکار کے یہ عمل جاری رہا۔اگر یہ تقلید باطل ہوتی وہ حضرات ضرور اس پر نکیر فرماتے۔"

(جاری ہے)

☆☆☆☆

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

قسط:۲۵

زبیر علی زئی...

☆محمود حسن نے جلیل القدر صحابیہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ''زبان دراز'' کہا۔
(تقاریر شیخ الہند[۱۸۸] ص۱۴۳)
☆محمود حسن نے رشید[۱۸۹] احمد گنگوہی دیوبندی کو ''بانی اسلام[۱۹۰] کا ثانی'' کہا۔ (کلیات شیخ الہند ص ۸۷)
محمود حسن دیوبندی نے کہا: ''کیونکہ قول مجتہد بھی قول[۱۹۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شمار ہوتا ہے''
(الورد الشذی ص۲)
۲: جمہور اہل[۱۹۲] حدیث علماء نے محمود حسن پر جرح کر رکھی ہے اور جرح و تعدیل میں تطبیق نہ ہونے کی حالت میں جمہور علمائے حق کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔
۳: فتاوی ثنائیہ کی مذکورہ عبارت سیاسی[۱۹۳] ہے جیسا کہ اس کے شروع میں ''سیاسی رہنمائی'' (فتاوی ثنائیہ ۱/۴۴)
اور آخر میں ''سیاسی[۱۹۴] مجالس'' کا ذکر موجود ہے۔ (دیکھئے فتاوی ثنائیہ ۱/۴۸)
سیاسی[۱۹۵] بیانات سے متروک عند الجمہور کی توثیق ثابت کرنا رب نواز جیسے آل[۱۹۶] دیوبند کا ہی کام ہے۔

جواب---

۱۸۸

(الف)......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''قضاۃ قرطبہ للقیروانی نامی کتاب میرے پاس موجود نہیں ہے لہٰذا کتاب کو دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ ابنِ مدرک کی صراحت کے ساتھ اس کتاب میں کوئی ذکر موجود ہے۔'' [علمی مقالات:۳/۴۷۳]

عرض ہے کہ ہمارے پاس بھی ''تقاریر شیخ الہند'' نامی کتاب نہیں ہے، لہٰذا کتاب دیکھ کر ہی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اُس میں ''زبان دراز'' جملہ ہے بھی سہی؟

(ب)......علی زئی صاحب عبداللہ روپڑی صاحب کی کتاب ''توحید الرحمٰن'' میں مذکور ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''روپڑی صاحب کو اس کتاب کی تصویب (تصحیح وتسوید) کا موقع نہیں مل سکا...لہٰذا روپڑی صاحب اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔۲: یہ عبارت شاذ ہے۔'' [ماہنامہ ضرب حق سرگودھا شمارہ:۲۵،ص:۲۰]

علی زئی صاحب کے اس پسندیدہ جواب کو دہراتے ہوئے ہم انہی کی زبان میں یہی دو باتیں کہتے ہیں۔

۱......حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو اس کتاب ''تقاریر شیخ الہند'' کی تصویب (تصحیح) کا موقع نہیں مل سکا، لہٰذا وہ اس کتاب کے ذمہ دار نہیں۔

۲...... یہ عبارت شاذ ہے کیونکہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ''زبان دراز'' جملہ منسوب کرنے کی بجائے دوسرے جواب کو ''عمدہ'' قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا:

''فاطمہ بنتِ قیس کی روایت کا جواب عمدہ تو وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: لاندع کتاب ربنا وسنة نبينا بقول امرءة...'' [تقاریر ترمذی وابوداؤد: ۲۷۸ طبع تالیفاتِ اشرفیہ ملتان]

عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو کسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔

(ج)......اگر ''زبان دراز'' جملہ کا حوالہ صحیح ہے تو عرض ہے کہ یہ مرتب کی خطا معلوم ہوتی ہے، بالخصوص جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنی ہی تقریر میں اس جملہ کی بجائے دوسرا جواب ارشاد فرما رہے ہیں۔

(د)......علی زئی الزام کو ہم بالفرض درست خیال کر لیں تو سوال یہ ہے کہ گستاخ صحابہ ہونا ''جرح مفسر'' ہے؟ اس کی وجہ سے اس گستاخ کو ضعیف و متروک کہا جائے گا؟ اس کے جواب میں ہم خود علی زئی صاحب کی زبانی کچھ نقل کرتے ہیں۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''علی بن الجعد مختلف فیہ راوی ہے، جمہور نے اس کی توثیق کی ہے، مگر یہ بھی مروی ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر، معاویہ بلکہ عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین پر سخت تنقید کرتا تھا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ انہوں نے معاذ اللہ بیت المال سے ایک لاکھ درہم ناحق لیے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وہ تکفیر کا قائل تھا، وہ کہتا تھا کہ مجھے یہ بُرا نہیں لگتا کہ اللہ تعالی معاویہ کو عذاب دے۔'' [اوکاڑوی کا تعاقب: ۶۵]

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''علی بن الجعد ثقہ علی الراجح... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت تنقید کرتا تھا وہ کہتا تھا: مجھے یہ بُرا نہیں لگتا کہ اللہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو عذاب دے... صحیح بخاری میں کی اس کی چودہ احادیث ہیں جو کہ متابعات میں ہیں۔'' [تعداد رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ: ۷۷]

علی زئی صاحب نے بخاری کے راوی علی بن الجعد کو گستاخِ صحابہ قرار دینے کے باوجود اسے ''ثقہ و مستند'' راوی تسلیم کیا ہے معلوم ہوا کہ علی زئی صاحب کے نزدیک گستاخِ صحابہ ہونے کی وجہ سے راوی ضعیف نہیں ہو جاتا۔

یہاں علی زئی صاحب کا دوہرا معیار بھی دیکھئے۔وہ ایک طرف تو صحابی پر کفر کا فتوی لگانے والے کو ''ثقہ'' راوی کہتے ہیں اور دوسری طرف صحابی کی طرف ''زبان درازی'' کی نسبت کرنے کو جرح مفسر کہہ کر قائل کوضعیف ومتروک قرار دینے پہ تلے ہوئے ہیں۔

علی زئی صاحب نے صحابی کی طرف ''زبان درازی'' کی نسبت کرنے کو''جرح مفسر'' کہا ہے۔ان کے آلِ غیر مقلدیت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ اسے''جرح مفسر'' ثابت کریں۔

(ھ)......کتبِ حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف جوالفاظ منسوب کیے گئے ہیں اُن میں سے چند یہاں نقل کرتے ہیں۔سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے ان کے متعلق کہا:

''انها كانت لسنة''[سننِ ابوداود:۳۱۴/۱]

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کے متعلق کہا: ''لها كانت تبذو على اهلها''[ترمذی:۲۲۳/۱]

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

''قلت كان فی لسانها ذرب فاستطالت علی احمائها استطالة تفاحشت۔

[کتاب الام:۱۱۷/۵]

ہم علی زئی صاحب کے ہم نوا لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ سیدنا سعید رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے آپ کیا فرمائیں گے؟

(و)......علی زئی صاحب کے نزدیک گستاخِ صحابی ہونا جرح مفسر ہے،لہٰذا ان کے اس اصول کی وجہ وہ آلِ غیر مقلدیت ضعیف ومتروک قرار پائیں گے جو صحابہ کرام کی گستاخی کے مرتکب ہیں۔مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ ان گستاخانِ صحابہ کوضعیف ومتروک کہنے کی بجائے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔

☆......رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد نے اپنی کتابوں سلفی تحقیقی جائزہ:۶۵۲۔تنویر الآفاق:۴۸۷ وغیرہ میں صحابہ کرامؓ کی بہت زیادہ گستاخی کی ہے۔مگر علی زئی صاحب انہیں ''محقق اہلحدیث'' کہتے ہیں،چنانچہ آپ لکھتے ہیں: ''محقق اہلحدیث مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ''[الحدیث شمارہ ۱۷،صفحہ ۲۱]

☆......ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد نے بھی گستاخی صحابہ کا ارتکاب کیا ہے۔[مقالاتِ شاغف: ۲۸۲]اس کے باوجود علی زئی صاحب نے انہیں مجتہد قرار دے کر ان کی ایک بات کو'' خطائے اجتہادی'' کا نام دیا ہے۔[علمی مقالات:۳۶۴/۵]

☆......علی زئی صاحب کو یہ اعتراف ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف حدیثیں بھلا دینے کی نسبت کرنا اور معوذتین کی وجہ سے ان پر کلام کرنا گستاخی ہے۔[الحدیث شمارہ:۳۸ صفحہ ۶۴] مگر اس کے باوجود اس کے قائل آلِ غیر مقلدیت کوضعیف ومتروک کی کہنے کی بجائے انہیں اعزازی القاب دیتے ہیں۔

عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے کہا کہ انہوں نے حدیثیں بھلادی تھیں ۔[تحفۃ الاحوذی رفع یدین کی بحث]علی زئی صاحب نے ان کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:

"ہمارے دل میں......علمائے حق مثلاً عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہم اللہ کا بہت احترام ہے۔والحمدللہ"

[علمی مقالات:۲۵۱/۴]

ارشادالحق اثری صاحب غیر مقلد نے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ کی طرف معوذتین کے انکار کو منسوب کیا ہے۔[تنقیح الکلام:۱۴۸]اس کے باوجود علی زئی صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پاکستان کے مشہور محقق اور اہلحدیث کے نامور عالم مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ"

[علمی مقالات:۱۷۳/۲]

☆......علی زئی کے استاذ محبّ اللہ شاہ راشدی صاحب غیر مقلد نے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر معوذتین کی وجہ سے کلام کیا ہے۔[مقالاتِ راشدیہ:۲۶۰/۱]علی زئی صاحب نے ان کے بارے یوں تعریف کے پھول برسائے ہیں:"اگر مجھے رکن ومقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا محبّ اللہ شاہ سے زیادہ نیک،زاہد اور افضل...انسان نہیں دیکھا۔"[علمی مقالات:۵۰۵/۱]

علی زئی صاحب کا دوہرا معیار ہے کہ ان کے نزدیک صحابی کی گستاخی جرح مفسر ہے،مگر غیر مقلدین کو صحابہ کرامؓ کی گستاخی کرنے پر نہ صرف یہ کہ ضعیف ومتروک نہیں کہتے بلکہ ان کی خوب مدح سرائی کرتے ہیں۔

تنبیہ :صحابہ کرامؓ کی گستاخی کرنے والے آلِ غیر مقلدیت کی باحوالہ بحث کے لیے بندہ کے درج ذیل مضامین کا مطالعہ کریں۔

۱۔صحابہ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۲۔خلفائے راشدین کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۳۔اہل بیت کے متعلق غیر مقلدین کا نقطہ نظر ۴۔وحیدالزمان کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخیاں ۔۵۔دفاعِ صحابہ کی بجائے دفاعِ وحیدالزمان ۔۶۔سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ غیر مقلدین کی نظر میں ۔۷۔تنقیصِ صحابہ اور آلِ غیر مقلدیت وغیرہ ۔یہ مضامین مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ آئندہ انہیں ہم اپنی زیرِ ترتیب کتاب "عقائد آلِ غیر مقلدیت" میں شامل کریں گے،ان شاءاللہ۔

۱۸۹

حضرت گنگوہی کا مقام ومرتبہ ملاحظہ فرمائیں!محمد اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد فضل وکمال کے مختلف اہم گوشوں میں شہرت پائی اور نامور ہوئے۔ان بزرگانِ عالی قدر میں درج ذیل حضرات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:......مولانا رشید احمد

گنگوہی۔'' [فقہائے پاک وہند:۳/۳۳۱]

حافظ رشید احمد لاہوری صاحب غیر مقلد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو ''بلند پایہ اربابِ علم'' کا پیرومرشد مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''بے شمار علمائے دیوبند آپ کے خلفاء اور مستفیدین میں شامل ہیں، جن میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند مولانا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ اربابِ علم نمایاں ہیں۔'' [الاحیاء ۲۰۱۳ء:۴۳]

عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا گنگوہی ایسے یگانہ روزگار فاضل'' [اہلحدیث پر مزید کرم فرمائیاں:۱۲]

صلاح الدین مقبول احمد صاحب غیر مقلد، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آخری بار حجاز سے لوٹنے کے بعد اپنے تمام تر وقت کو کتبِ ستہ [حدیث کی چھ مشہور کتابیں بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداود اور ابنِ ماجہ: ناقل] کی تدریس کے لیے وقف فرمادیا۔''

[تقدیم: اللمحات:۴۳]

عبدالجبار سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''احناف دیوبند کے سرکردہ مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں آپ باوجود صوفی منش ہونے کے عالم ومحدث بھی تھے۔'' [فتاوٰی ثنائیہ:۱/۳۵۶]

علی زئی صاحب کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو ''مجتہد'' تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''معرفتِ دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظِ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ۔ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے...مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم...وغیرہ اکابر علمائے حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی؟ واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں۔'' [فتاوٰی ثنائیہ:۱/۲۶۴]

۱۹۰

(الف)......علی زئی صاحب نے ''بانی اسلام کا ثانی'' جملہ کو جرح مفسر بنا کر پیش کیا ہے، انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس کا جرح مفسر ہونا ثابت کرتے مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔

(ب)......آلِ غیر مقلدیت کو یہ بات تسلیم ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ''عالمِ دین'' ہیں۔ دیکھئے حاشیہ ۱۸۹۔ اور علماء کو انبیاء کا وارث خود حدیث میں کہا گیا ہے: **العلماء ورثة الانبیاء**.

یہاں ''بانی اسلام کا ثانی'' میں ثانی سے مراد ''وارث'' ہے یعنی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بہ حیثیت مستند عالم دین ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے وارث ہیں۔

(ج)......اب ذرا آلِ غیر مقلدیت کی عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں!

غیر مقلدین کی جماعت ''غرباء اہل حدیث'' کے امام عبدالوہاب صاحب نے کہا:

''امامِ وقت نائبِ نبی ہوتا ہے'' (مقاصد الامامۃ:۱۱، مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول) عبد الوہاب مذکور کے بارے میں ان کے شاگرد عبدالجبار کھنڈیلوی صاحب لکھتے ہیں:

''آپ خلیفہ اور نبی میں فرق نہیں کرتے جب ہی آپ موسیٰ وابراہیم نبی کو پیش کر کے اُن پر اپنے آپ کو قیاس کرتے ہیں۔'' [مقاصد الامامۃ:۱۲]

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہل حدیث ہونے کی وجہ سے وارث اور خلیفہ رسول بھی ہم تھے۔'' [رسائل بہاول پوری:۵۷۰]

بہاول پوری صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اہلحدیث کہلا کر ہم وارث بنے ہیں'' [رسائل بہاول پوری:۵۷۲]

آگے لکھتے ہیں:

''اہلحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور خلیفہ کو کہتے ہیں'' [رسائل:۵۷۲]

اگلے صفحہ پہ لکھتے ہیں:

''نبی کے وارث ہونے کی وجہ سے ہم امام ہیں'' [رسائل بہاول پوری:۵۷۳]

پڑھتے جائیں: ''اہلحدیث ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز وارث اور خلیفہ ہم تھے۔'' [رسائل بہاولپوری:۵۷۶]

آگے پڑھیے: ''اہلحدیث ہی وارثِ رسول ہیں۔'' [رسائل بہاول پوری:۵۹۵]

یہ تو تحریری باتیں تھیں اب ذرا تقریری اقتباس کی طرف آیئے، بہاول پوری صاحب فرماتے ہیں:

''ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے، اللہ کا نائب ہے، اللہ کا وائسرائے ہے۔''

[خطبات بہاول پوری:۱/۶۷، خطبہ نمبر۲]

اگر کسی انسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ یا ثانی کہنا قابلِ اعتراض ہے تو آلِ غیر مقلدیت کی مذکورہ عبارات کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

۱۹۱

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں انہیں ایک حیثیت سے اجتہادی مسائل کہتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے حدیث کا فیصلہ۔ مجتہد حدیثوں کے ظاہری تعارض کا حل پیش کرتا ہے۔ ایسی حدیثوں کے درمیان تطبیق

دیتا ہے یا ان میں سے منسوخ اور ناسخ کی نشاندہی فرماتا ہے وغیرہ۔

اس رفع تعارض، تطبیق اور نسخ وغیرہ والے عمل کی وجہ سے مسئلہ کو اجتہادی کہہ کر قول مجتہد کہا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ مسئلہ دراصل حدیث ہی کا ہوتا ہے اس لیے حدیث کے اس مسئلہ کو قولِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا درست ہوتا ہے۔

مثلاً متعدد مجتہدین کا قول ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رُخ اور پشت نہ کرو... جب کہ یہی فرمانِ نبوی بھی ہے۔(بخاری ومسلم)

حالتِ احرام میں نکاح کا جائز ہونا کئی مجتہدین کا قول ہے مگر اس پر مستقل حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنھا سے نکاح کیا تو آپ حالتِ احرام میں تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اب ہم کچھ مثالیں غیر مقلدین کے ذوق کی نقل کر کے اپنی بات کو واضح کرتے ہیں ان مثالوں سے ہمارا اتفاق ضروری نہیں۔

اس سلسہ کی ابتدا خود علی زئی صاحب کے کلام سے کرتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

''رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہییں ؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں طرح عمل جائز ہے۔'' [علمی مقالات جلد۱/۴۸۸]

علی زئی صاحب یہاں اسے اجتہادی مسئلہ بتا رہے ہیں مگر دوسرے مقام پر اسے حدیث کا مسئلہ ظاہر کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:..... ہاتھ کا ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔'' [علمی مقالات:۱/۴۹۷]

غیر مقلدین کو خاص کر اصرار ہے کہ جب صحابی کسی عمل کو ''سنت'' کہے تو مراد سنتِ بنوی ہوتی ہے۔ [تیسیر الباری:۲/۲۹۴۔مقلدین ائمہ کی عدالت میں:۲۸۳]

علی زئی صاحب کے ''شیخ الاسلام'' محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہمارا تو یہ مسلک ہے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فرعی اختلافی ہونے کی بناء اجتہادی ہے، پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی'' [خیر الکلام:۳۴]

گوندلوی صاحب نے یہاں فاتحہ خلف الامام کو ''اجتہادی مسئلہ'' قرار دیا مگر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی...'' [خیر الکلام:۳۴]

گوندلوی صاحب نے فاتحہ کے ضروری ہونے کو اجتہادی مسئلہ بھی کہا اور اسے قول رسول بھی باور کرایا ہے۔

ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد خیر الکلام سے مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے حرف بہ حرف اس کی تصدیق کرتے ہیں۔(توضیح الکلام صفحہ ۱۷)مگر فاتحہ پڑھنے کو فیصلہ نبوی بھی کہتے ہیں بلکہ بزعمِ خود اسے فیصلہ نبوی باور کرانے کے لیے کتاب بھی شائع کرتے ہیں۔

علی زئی صاحب توضیح الکلام کو''لاجواب''کتاب کہتے ہیں۔[نور العینین صفحہ ۷،طبع ۲۰۰۶ء]

خلفائے راشدین کے متعلق غیر مقلدین کے''فتاوی''میں لکھا ہے:

''جہاں کہیں ان کے اپنے اجتہادات کا ذکر ہے وہ کتاب وسنت سے خارج نہیں ہیں بلکہ بتصریح یا بتلویح کتاب وسنت میں موجود ہیں''[فتاوی علمائے حدیث:۲۹۵/۶]

یہاں خلفائے راشدین بالفاظِ دیگر مجتہدین کے قول کو اللہ ورسول کا صریح فیصلہ قرار دیا گیا ہے۔

عبدالرحمٰن کیلانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سماعِ موتی کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے''[روح،عذابِ قبر اور سماعِ موتی:۱۴۲]

کیلانی صاحب سماع موتی کو''اجتہادی مسئلہ''کہنے کے باوجود اسے قرآنی مسئلہ بھی کہتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کے اس واضح ارشاد کہ''مُردے نہیں سن سکتے''کے مطابق...''[حوالہ مذکورہ:۵]

ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ قولِ مجتہد کو قولِ رسول کہنے کی جو اوپر غیر مقلدین کی طرف سے مثالیں دی ہیں یہ انہیں سمجھانے کے لیے ہیں اُن سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں۔

۱۹۲

''جمہور اہلحدیث''کے جرح کرنے کا دعوی تو کر دیا مگر جمہور کے جارحانہ اقوال نقل نہیں کر سکے اور خود ہی جرح کرنے بیٹھ گئے ہیں۔

بالفرض غیر مقلدین نے جرح کی بھی ہوتی تب بھی مخالف کی جرح ہونے کی وجہ سے علی زئی کے اصول کی رو سے غیر معتبر ہوتی۔وہ لکھتے ہیں:

''ایسے لوگوں کی تصحیح وتحسین کا کیا اعتبار ہے جو بذاتِ خود فریقِ مخالف کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

[توضیح الاحکام:۳۵۰/۱]

جمہور اہلحدیث کی طرف سے جرح کا دعوی ایسا ہے جس پر علی زئی صاحب دلیل نہیں دے سکے۔اس کے برعکس ہم بہت سے آلِ غیر مقلدیت کی طرف سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی توثیق یا تعریف پیچھے(حاشیہ ۳۹)میں نقل کر آئے ہیں۔

۱۹۳ اگر سیاسی ہے تو بھی غیر مقلدین کو قبول ہونا چاہیے کیونکہ ان کا دعوی ہے کہ ہماری سیاست قرآن و

حدیث والی ہے۔ پروفیسر عبداللہ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اہلحدیث ایک دینی جماعت ہے جس کی اپنی سیاست ہے جو قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے یہ جماعت اسلامی یا مسلم لیگ یا کسی بھی دینی جماعت کی طرح سیاسی جماعت نہیں'' [رسائل:۵۸۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کی سیاست امارت وخلافت کی سیاست ہے جس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔''

[حوالہ مذکوہ، ص:۵۹۰]

۱۹٤

ثناءاللہ امرتسری صاحب نے اپنی سیاست کو ''اسلامی ومذہبی سیاست'' کہا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اسلام...اخلاقِ فاضلہ کے علاوہ سیاست کی تعلیم دیتا ہے اسی لیے خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یہ سب کام علمائے اسلام کے ذمے ہوتے تھے...مذہبی طبقہ میں ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاسیات کو مذہبی رنگ میں دکھانے کے لیے علماء کی جماعت قائم ہونی چاہیے...اسی مجلس علماء میں میں نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسیات میں مذہبی رہنمائی کے لیے علماء کی ایک جماعت ہمیشہ کے لیے منظّم ہونی چاہیے...ضروریاتِ قومی اور مذہبی کے لیے مسلمانوں کی شرعی عدالتیں قائم کی جائیں جو حسبِ قانونِ شریعت فیصلہ کیا کریں۔''

[فتاوی ثنائیہ:۱/۴۵تا۴۷]

۱۹۵

علی زئی صاحب، ثناءاللہ امرتسری صاحب کے بیان کو سیاسی ہونے کی وجہ سے رد کر رہے ہیں جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ غیر مقلدین کے حلقہ میں ''سردار اہلحدیث'' کا لقب پانے والے بزرگ بے دین لوگوں والی سیاست کے حامل تھے جبکہ پروفیسر عبداللہ بہاول پوری کے بقول اہلحدیث کی سیاست قرآن وحدیث کے مطابق ہوتی ہے اور خود امرتسری صاحب نے اپنی سیاست کو ''اسلامی ومذہبی سیاست'' قرار دیا ہے لہذا علی زئی صاحب کا اسے محض سیاسی کہہ کر ٹالنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ ہے امرتسری صاحب نے سیاسی بیان کے علاوہ بھی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مقام ومرتبہ کو تسلیم کیا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ دیوبند میں میرے ''شیخ الحدیث'' مولانا محمود حسن تھے۔

[بزمِ ارجمنداں:۶۴، احمد اسحاق بھٹی]

امرتسری صاحب نے یہ بھی کہا کہ:

''دارالعلوم دیوبند کی سند میرے لیے باعثِ فخر موجود ہے۔'' [رسائل ثنائیہ:۹]

اسی طرح دیگر بھی بہت سے آل غیر مقلدیت نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو خراج عقیدت پیش کیا

ہے، دیکھئے حاشیہ ۳۹۔

کیا ان سب غیر مقلدین کے فرمودات کو ''سیاسی'' کہہ کر رد کر دیا جائے گا اگرچہ وہاں سرے سے سیاست کی کوئی بات بھی نہ ہو۔

۱۹۶

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی توثیق وتعریف کو حاشیہ ۳۹ میں ہم نے غیر مقلدین کے حوالوں سے ثابت کیا ہے ان میں ایک حوالہ بھی دیوبندی کا نہیں لہٰذا دیوبندیوں کو کوسنا غلط ہے۔

......ہم کہتے ہیں فتاوی ثنائیہ میں اسلامی ومذہبی سیاست کی وضاحت ہے اسے بے دین سیاست کی بھینٹ چڑھا کر رد کرنا بھی علی زئی جیسے لوگوں کا کام ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق دعوی کر دینا کہ ان پر جرح مفسر ثابت ہے اور یہ کہ وہ جمہور کے نزیک ضعیف ومتروک ہیں مگر اسے ثابت نہ کر سکنا بھی علی زئی جیسے انسان کا طرزِ عمل ہے۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ طیب الرحمٰن حفظہ اللہ

جناب ارشادالحق اثری غیر مقلد......اپنی تحریرات کے آئینہ میں

......قسط نمبر۲......

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت پر تنقید:

موصوف اثری صاحب رقمطراز ہیں:

''چنانچہ صحیح مسلم باب مایفعل بالھدی اذاعطب فی الطریق [۱/۴۲۷] میں ایک روایت اس سند سے منقول ہے:''حدثنی ابو غسان المسمعی حدثنا عبدالاعلی حدثنا سعید عن قتادۃ عن سنان بن سلمۃ عن ابن عباس'' الخ۔امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں:''قتادہ نے سنان سے سنا نہیں''۔[الالزامات:۷۸]

علامہ الخزرجی لکھتے ہیں کہ:''مسلم کی یہ روایت معلول ہے کہ قتادہ نے سنان سے نہیں سنا،جیسا کہ ابن قطان اور ابن معین نے کہا ہے''۔[الخلاصۃ:۱/۱۳۵]

مزید دیکھیے نصب الرایہ ۳/۱۶۲،غرر فوائد المجموعۃ:ص:۳۸۰،۳۸۳،تحفۃ الاشراف:۳/۱۳۵]

لیجیے جناب! اس روای کو امام یحییٰ،ابن معین،ابن حبان دارقطنی وغیرہ نے معلول قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ قتادہ نے سنان سے یہ روایت نہیں سنی بلکہ اس سے ملاقات ہی نہیں۔'' (توضیح:۲/۲۰۷،۲۰۳)

لیجیے جناب! مسلم شریف کی یہ روایت بھی معلول ہے،نہ یہاں صحیحین کی عظمت ملحوظ رہی اور نہ ہی اپنا مسلم اصول (صحیحین کی تمام مسند احادیث صحیح اور انہیں تلقی بالقبول حاصل ہے) پیش نظر رہا۔اثری صاحب کا پسندیدہ شعر حاضر خدمت ہے ؎

دونوں عالم سے دل مضطر نے تجھ کو کھو دیا
ہوگئی اس کی بدولت آبرو، پانی تیری

(مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں:۲۶ نومبر ۲۰۰۸)

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت پر نظر عنایت:

جناب ارشادالحق اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس لیے ''فصاعداً'' اور ''مازاد'' اور سورۃ معھا وغیرہ کی جو ضعیف اور شاذ روایات جناب صفدر صاحب

نے پیش کی ہیں۔[حاشیہ توضیح الکلام:۱۳۹]

نیز اثری صاحب کی یہ عبارت بھی پیش نظر رہے جو انہوں نے اعتراض ''اس حدیث کے آخر میں ''فصاعدًا'' کے الفاظ مروی ہیں اور یہ زیادت امام معمر سے صحیح مسلم، ابوعوانہ اور نسائی وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے۔اور امام معمر ثقہ اور حجت ہیں۔'' کے جواب میں رقم فرمائی:

''ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ امام معمر بلاشبہ ثقہ اور ثبت تھے، مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق بعض روایات میں ان سے خطا ہوئی ہے۔''[توضیح الکلام:۱۳۱]

چند صفحات آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی ''فصاعداً '' کے لفظ سے مازاد علی الفاتحۃ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔[توضیح الکلام:۱۳۶]

اثری صاحب نے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کے متعلق لکھا:

''کہاں یہ اصول کہ صحیحین کی جملہ روایات بالاجماع صحیح ہیں اور کہاں یہ جسارتیں کہ بخاری کی فلاں روایت مضطرب ہے، فلاں فلاں مرفوع نہیں بلکہ موقوف صحیح ہیں۔ مسلم کی فلاں حدیث شاذ و منکر ہے اور فلاں فلاں حدیث میں راوی نے غلطی کی ہے''۔[۔۔۔آئینہ میں:۳۱]

اور یہی بات انہی الفاظ سے ہم جناب اثری صاحب سے کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ:

کہاں یہ اصول ''ائمہ فن کا اتفاق ہے کہ صحیحین کی احادیث مقطوع بالصحت ہیں'' اور کہاں یہ جسارتیں کہ مسلم کی فلاں روایت معلول ہے اور فلاں حدیث منقطع ہے اور فلاں حدیث میں راوی نے غلطی کی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث پر نقد:

جناب ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''صحیح مسلم میں اس روایت کا ہونا اس کی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے۔''[پرویزی تشکیک:۱۳۳]

قارئین کرام! مذکورہ عبارت غور سے پڑھ لی آپ نے؟ اثری صاحب کتنی بڑی بات ارشاد فرما گئے کہ: ''صحیح مسلم میں روایت کا ہونا اس کی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے۔'' یعنی صحیح مسلم میں آنے والی روایت کی صحت کے ثبوت کے لیے اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں بلکہ روایت کا صحیح مسلم میں آجانا ہی صحت کی دلیل کے لیے کافی ہے، لیکن ہمارے اَرمان اُس وقت ٹوٹ گئے جب ہم نے دیکھا کہ اَثری صاحب کا واسطہ ایک ایسی روایت سے پڑا جو جناب کے موقف کے موافق نہ تھی تو اثری صاحب بے جا مسلکی حمایت کی رو میں بہہ گئے اور اس روایت پر نقد کر گئے۔''مظلوم'' روایت اور اُس پر اثری صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زیدؓ سے سوال کیا، کیا امام کے ساتھ قراءت کی جاسکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: لاقراءة مع الامام فی شیء. [مسلم: ۱/۲۱۵، طحاوی: ۱/۱۴۶ وغیرہ]

کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں قراءت نہیں، یہ اثر سنداً محل نظر ہے۔'' [توضیح الکلام: ۹۹۳]

مذکورہ عبارات سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اثری صاحب کا مقصود احادیث بخاری ومسلم کا دفاع نہیں اور نہ ہی انصاف کے ساتھ تحقیق مطلوب ہے، بلکہ مطلوب ومقصود صرف اپنے مسلک کا بچاؤ ہے۔ اسی لیے تو کبھی صدا لگاتے ہیں کہ امام مسلم کا روایت کو اپنی کتاب میں ذکر کردینا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ (دیکھیے عبارت [د]) اور کبھی مسلم شریف کی روایت پر بڑی بے دردی سے جرح کے نشتر چلانا شروع کردیتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث:

صحیح مسلم شریف میں وارد حضرت ابن عباسؓ کی طلاق ثلاثہ والی روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''اسے بھی تو صرف حضرت ابن عباسؓ ہی روایت کرتے ہیں، اور ان کے تلامذہ میں طاؤس کے علاوہ اور کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا بلکہ سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار وغیرہ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ اس کے برعکس روایت کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔'' [پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ: ۹۶]

حدیث ابن عباس کے متعلق اثری صاحب کی تحقیق آپ کے سامنے ہے۔ ہم سامنے اثری صاحب کی ایک اور عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارا مقصد مزید واضح ہوجائے۔ اَثری صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا صفدر صاحب نے عمدۃ الاثاث میں اس (حدیث ابن عباس۔ ناقل) پر مختلف مختلف اعتراضات کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں طاؤس منفرد ہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ مسلم کی یہ روایت وہم اور غلط ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث مضطرب ہے کہ امام ابن العربیؒ اور علامہ النحاسؒ نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ [عمدۃ الاثاث: ۷۷، ۷۸]

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارا موضوع نہیں، ہمیں تو صرف یہ بتلانا ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی تمام احادیث کو صحیح ماننے کے باوجود بخاری ومسلم کی ان احادیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے جو صفدر صاحب کے مسلک کے مخالف ہیں۔'' [......تصانیف کے آئینہ میں: ۳۰]

قارئین کرام! اثری صاحب کی دونوں عبارتیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کردی ہیں۔ اب ان دونوں عبارتوں کا آپس میں موازنہ خود فرمائیں، ان شاء اللہ نتیجہ بالکل نکھر کر آپ کے سامنے آجائے گا۔

بات صحیح بخاری تک جا پہنچی:

جناب ارشاد الحق اثری صاحب رقمطراز ہیں:

''یہی ایک مقام نہیں، اس کے علاوہ اور مقامات میں بھی امام معمرؒ سے خطا ہوئی ہے، جن میں سے چند ایک کی ہم یہاں نشان دہی کرتے ہیں: مثلاً صحیح بخاری ''باب الرجم بالمصلیٰ '' کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت ماعز اسلمیؓ کو حد لگانے کا ذکر کرتے ہوئے بواسطہ'' عبدالرزاق قال أخبرنا معمر عن زهری '' ایک روایت ذکر کی ہے جس کے آخری الفاظ یوں ہیں: ''فقال له النبی خیرا و صلی علیه ''۔۔سر دست ہمیں اس سے بحث نہیں بلکہ بتلانا یہ ہے کہ ''فصلی علیه '' کے الفاظ کو امام بخاریؒ نے امام معمرؒ کا تفرد قرار دیا ہے بلکہ امام بیہقیؒ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جملہ صحیح نہیں ۔۔امام ابن قیمؒ اور علامہ زیلعیؒ نے بھی ان الفاظ کو معلول قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو (زاد المعاد: ۱/۱۴۴) اور (نصب الرایہ: ۱/۳۲۷)

بعض اہل علم نے ان الفاظ کو صرف اس بناء پر صحیح باور کر لیا کہ یہ صحیح بخاری میں ہیں مگر یہ صحیح نہیں جبکہ صحیح بخاری و مسلم میں شیخین ایسی حدیث کو بھی لے آتے ہیں جو مقصود کے اعتبار سے تو صحیح ہوتی ہے (یعنی من حیث المجموع) اگر چہ کوئی ٹکڑا اس کا ان کے معیار صحت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اس میں بعض رواۃ کا وہم ہوتا ہے۔'' (توضیح الکلام: ۱۳۱، ۱۳۲)

اور اثری صاحب اپنی دوسری کتاب میں قلم کو یوں حرکت دیتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے جو معمر کی روایت وصلی علیه ذکر کی اسی بنا پر غالباً حافظ ابن حجرؒ سمجھ رہے ہیں کہ امام بخاریؒ اس زیادت کو شواہد کی بنا پر صحیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ۔امام بخاریؒ صحیح بخاری میں ایسی روایت لے آتے ہیں جو من حیث المجموع مقصود کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے اگر چہ اس کا کوئی حصہ صحت کے معیار پر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس حصہ سے ان کا استدلال ہوتا ہے۔'' (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

اثری صاحب اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجرؒ نے جن شواہد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ''شواہد'' نہیں ایک شاہد ہے اور وہ بھی ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے دن نہیں بلکہ دوسرے دن حضرت ماعزؓ پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔حضرت ابوامامہ جن کا نام اسعد تھا، صغار صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مرسل قرار دی گئی ہے۔۔۔لہٰذا جب یہ روایت مرسل ہے تو یہ صحیح روایت کے مقابلے میں جس میں جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔'' (تنقیح الکلام: ۳۰۹)

اور اثری صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا:

"مگر محدود کی نماز جنازہ پڑھنا اور آنحضرت ﷺ کا جناب ماعزؓ کا جنازہ پڑھنا دونوں میں فرق ہے۔ صحیح روایت میں نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ علامہ ابن العربی نے بھی کہا ہے "لم یثبت ان النبی ﷺ صلی علی ماعز"۔ (فتح الباری: ۶۳۱/۱۲) "کہ یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے ماعزؓ کا جنازہ پڑھا ہو۔ (تنقیح: ۳۱۰)

فیصلہ کن عبارت تو ان شاء اللہ آنے والی دو روایات کے بعد پیش کریں گے، سردست اثری صاحب کے ایک مسلکی بھائی کی اثری صاحب کے رد میں لکھی جانے والی ایک اہم عبارت کا مطالعہ فرمالیجیے، چنانچہ اثری صاحب کے مسلکی بھائی اور فاضل دوست حافظ زبیر علی زئی صاحب کے شاگرد خاص حافظ ندیم ظہیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"صحابہ کی مراسیل بھی صحیح اور حجت ہیں، لہٰذا اس روایت کے ساتھ صحیح بخاری کی مشار الیہ حدیث بھی صحیح ہو جاتی ہے اور صحیح بخاری کی اس حدیث پر مولانا ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ کی جرح باطل و مردود ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث پر حملہ کرنے کے بجائے ان کتابوں کا دفاع کرنا اہل حدیث کا شعار ہے۔"

[ماہنامہ اشاعۃ الحدیث مدیر حافظ زبیر علی زئی ص: ۱۹ ش: ۱۰۴]

صحیح بخاری کی ایک اور روایت:

موصوف ارشاد الحق اثری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مثلاً ولید بن عقبہ پر حد کے حوالے سے صحیح بخاری میں حضرت عثمانؓ کے مناقب میں یونس عن الزھری عن عروہ کی سند سے ذکر ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت علی سے فرمایا اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں حالانکہ یہی روایت باب ھجرۃ الحبشہ میں معمر عن الزھری کی اسی سند سے مروی ہے جس میں چالیس کوڑے لگانے کا ذکر ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ معمرؒ کی روایت صحیح ہے اور یونس کی روایت اسی (۸۰) کوڑوں کے ذکر میں یونس کے شاگرد شبیب بن سعید کا وہم ہے۔" (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

اثری صاحب کی زبان میں عرض ہے کہ: لیجیے جناب! صحیح بخاری کی اس روایت میں بھی راوی وہم کا شکار ہو گیا اور بات چالیس کوڑوں سے ۸۰ تک جا پہنچی۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث:

جناب اثری صاحب نے لکھا ہے:

"حدیث معراج میں شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کا وہم بھی معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کے مناقب (ج: ۵۰۴/۱) میں اور کتاب التوحید، باب قول اللہ (وکلم اللہ موسیٰ تکلیما) (ج: ۱۱۲۰/۲) میں تو ذکر کیا ہے، باب المعراج میں نہیں۔ (تنقیح الکلام: ۳۰۸)

لیجیے جناب! بخاری شریف کی حدیث معراج بھی راوی کے وہم سے محفوظ نہ رہ سکی۔

قارئین کرام! صحیح بخاری کی تین روایات کے متعلق اثری صاحب کی ''تحقیقات'' آپ کے سامنے ہیں۔اپنے مقصود کو مزید نکھارنے کے لیے اثری صاحب کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جو ''آئینہ'' کو پہلے سے زیادہ شفاف بنادے گی تاکہ موصوف کو اپنا چہرہ دیکھنے میں ذرہ بھی دقت پیش نہ آئے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خاں صفدرؒ کی عبارت ''یہ روایت بعض راویوں کی غلطی سے بگڑ گئی ہے۔ اصل الفاظ یہ تھے:لم یکن معه احد غیری، تو ''غیری ''بعض راویوں سے چھوٹ گیا ہے''نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اثری صاحب فرماتے ہیں:

''یہی بات حضرت موصوف نے عمدۃ الاثاث (ص:۸۹) میں بھی فرمائی''۔نتیجہ صاف ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت درست نہیں، راوی کی غلطی سے ''غیری'' کا لفظ چھوٹ گیا۔''(......آئینے میں:۳۰)

اثری صاحب کے مذکورہ اصول کے پیش نظر عرض ہے کہ:

(۱)......نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی (''وصلی علیه'' والی) یہ روایت درست نہیں، راوی نے غلطی سے ''وصلی علیه'' زائد ذکر کردیا ہے۔

(۲)......نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت (یونس عن الزھری کی ۸۰ کوڑوں والی) درست نہیں، راوی نے غلطی سے ۴۰ کے بجائے ''۸۰'' کوڑوں کا ذکر کردیا۔

(۳)......نتیجہ صاف ہے کہ صحیح بخاری کی یہ روایت (حدیث معراج) درست نہیں، راوی اس میں وہم کا شکار ہوگیا اور اس پر محدثین کا کلام مشہور ہے۔(دیکھیے حاشیہ توضیح الکلام:۱۰۷)

صحیح بخاری ومسلم کی تنقید شدہ روایات:

موصوف اثری لکھتے ہیں:

''بخاری ومسلم میں ایسے اصحاب غرائب وافراد کی وہ روایات جن پر محدثین نے نقد کیا ہے ہم انہیں کب قبول کرتے ہیں؟ ہم تو ثابت کرآئے ہیں کہ امام معمرؒ جو بالاتفاق ثقہ اور زہری کی روایت میں اثبت رواۃ میں شمار ہوتے ہیں۔خود امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس کے تفرد پر کلام کیا ہے۔''(توضیح:۴۷-۷۴۶)

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود

اگر یہ مدارس نہ رہے تو!

ایک مسلمان کے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ اس کو اللہ تعالی نے اسلام کی صورت میں ایک مکمل اور زندہ و جاوید دستور حیات مرحمت فرمایا ہے، مسلمانوں کا چودہ صدیوں پر محیط ایک شاندار اور درخشاں ماضی ہے، ان کے پاس ایک عظیم الشان تہذیب وثقافت ہے، قرآن وسنت کی شکل میں ان کے پاس خدائی رہنمائی موجود ہے، قرن اول سے لے کر عصر حاضر تک علمائے اسلام کی جہد مسلسل کے نتیجہ میں فقہ اسلامی کی عظیم علمی میراث اور بے مثال دستور حیات کا ذخیرہ انہیں میسر ہے، یہ مسلمان ہی تھے اور ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو خدائی ہدایت اور رہنمائی سے روشناس کروایا، انہیں شرک، کفر اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر ایمان وایقان اور علم کی روشنیوں سے مالا مال کیا، دنیائے انسانیت کو دستور حیات دیا، انہیں تہذیب دی، امن دیا، مظلوموں اور ناداروں سمیت تمام طبقات انسانی کو حقوق دیے، غرض انسانیت کو جینے کا سلیقہ اور قرینہ عطا کیا۔

مسلمانوں کے عروج سے انسانی دنیا اور ان کی زندگیوں پر جو مثبت اور زوال سے جو منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں تاریخ انسانی سے واقف ایک ادنی طالب علم بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا، لیکن انسانوں میں ہمیشہ سے ایک ایسا استعماری طبقہ چلا آ رہا ہے جو اپنے سینوں میں موجود کینہ، بغض اور حسد کی بنا پر انسانیت کو آسمانی ہدایت ورہنمائی سے محروم کر کے ان کا استحصال کرنا چاہتا ہے، اسی غرض سے اس استعماری طبقہ نے ہر دور میں خدائی ہدایت و رہنمائی کے علم بردار مسلمانوں سے مختلف میدانوں میں جنگیں لڑیں، مسلمانوں کی اجتماعیت جب تک وحی الہی کی رہنمائی میں زندگی گزارتی رہی نصرت خداوندی ان کے شامل حال رہی، لیکن جب مسلمانوں کی اجتماعیت اور معاشرہ خدائی تعلیمات کو چھوڑ کر نفس پرستی اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف ہو گیا تو اس استعماری طبقہ کو اپنی سازشوں میں کامیاب ہونے کا موقعہ ملا، جس کے بڑے مظاہر اندلس، برصغیر اور ترکی سے مسلمانوں کے اجتماعی نظم کو ایک نئے استعماری اور استحصالی نظام سے بدلنے کی صورت میں ظاہر ہوئے، چناں چہ مذہبی بنیادوں پر استوار مغربی استعمار کو جب دنیا میں غلبہ حاصل ہوا تو اس نے باقاعدہ استعماری وتبشیری مشن کے تحت مسلمانوں کی عظیم الشان تاریخ، تہذیب وتمدن اور بے مثال علمی ورثہ اور سرمایہ پر قدغن لگانے اور اس کی حقیقت کو مسخ کرنے کی خاطر ایک استشراقی تحریک چلائی، جس کے پس پردہ متعدد سیاسی، دینی، تبشیری اور استعماری محرکات تھے، جن کا مقصد صرف اور صرف انسانیت کو اسلام و

مسلمانوں کے پاس موجود لاریب خدائی وحی کی رہنمائی سے محروم کرنا تھا۔

ان مخصوص اہداف کی تکمیل کے لیے ان کی تمام تر دلچسپی اور کوشش یہ رہی کہ اسلام اور اس کے محاسن میں عیب جوئی کی جائے، نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ کی نبوت پر زبان طعن دراز کی جائے، مغرب و یورپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں گستاخی کرتے ہوئے خاکے شائع کرنا ہرگز بھی اتفاقی بات نہیں، بلکہ یہ اسی حسد وکینہ کا اظہار ہے جو زمانہ قدیم سے ان کے سینوں کو جلائے ہوئے ہے، غرض اسلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کا یہ مذموم گستاخانہ رویہ اس لیے ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین وتہذیب سے ہٹا کر فکری اعتقادی اور عملی ارتداد کا شکار کیا جاسکے اور باقی تمام انسانیت کو یہ باور کروایا جاسکے کہ اسلام کے ماننے والے مسلمان ایک وحشی، سفاک، خون ریز اور دہشت گرد قوم ہے، اہل مغرب نے ''دہشت گردی'' کی مخصوص اصطلاح انہی مقاصد کی تکمیل لیے ایجاد کی ہے، یہ بات پورے شرح صدر کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مغربی استعماری تسلط سے پہلے دنیا میں اس اصطلاح کا کوئی وجود نہ تھا، بلکہ نائن الیون سے قبل دنیا کی اکثریت کے لیے یہ اصطلاح نامانوس تھی۔ ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اپنے ان استعماری وتبشیری مقاصد کے حصول کے لیے کچھ نام کے مسلمان بھی تیار کیے، جن کی باقاعدہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انہی استعماری خطوط پر پرورش، تعلیم وتربیت کر کے ان کے دل ودماغ میں ایسا زہر بھر دیا کہ وہ اپنے مغربی آقاؤں سے بھی دو ہاتھ آگے نظر آتے ہیں، ان لوگوں نے اس ذہن سازی کے نتیجہ میں اب اسلام کے خلاف فکری وقلمی ہتھیار خود تلاشنے شروع کردیے ہیں، تبشیری مستشرقین کے تربیت یافتہ وفیض یافتہ ان نام نہاد مسلم مفکرین، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اینکر پرسن اور قلم کاروں نے اپنی ہی نسل نو کے سامنے اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی اقدار کے امین ''مدارس'' کی ایسی جھوٹی منظر کشی کی ہے کہ جس کا حقیقت کے ساتھ ذرہ برابر بھی تعلق نہیں، پھر کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو دیدہ دانستہ یا انجانے میں اپنی سادگی یا ان کے پروپیگنڈہ کی شدت سے متاثر ہو کر انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عصر حاضر میں انہیں اسلام پر اپنے ناپاک حملہ میں مزید شدت لانے کی اس لیے بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ تہذیب جدید نے اہل مغرب کے عقائد سے لے کر معاشرتی نظام تک کی بنیادوں کو ہلا ڈالا ہے اور وہ اب اپنے اندر کی بے چینی سے مجبور ہو کر اسلام کی حقانیت میں سکون تلاش کرنے لگے ہیں تو اس استعماری وتبشیری طبقہ نے اہل مغرب کو اپنے عقیدہ اور مقدس کتاب میں موجود تحریفات پر غور ونقد سے روکنے اور دنیا کو اسلام کی حقانیت سے دور رکھنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں پر

سیاسی، معاشی، فکری، اور استعماری و عسکری میدانوں میں ہلہ بول دیا، مغربی استعمار چوں کہ قرون اولی کی اسلامی فتوحات، صلیبی جنگوں اور عثمانی خلفاء کی یورپ میں حاصل کی گئی فتوحات کے نتیجہ میں اہل مغرب میں پیدا ہونے والے خوف اور اسلام کی شان و شوکت سے اچھی طرح واقف ہیں، اس پر نائن الیون جیسے مجہول الحال واقعات نے جلتی پر تیل کا کام کیا، چناں چہ انہوں نے خوف و ہراس کے اس نفسیاتی ماحول سے بھر پور فائدہ اٹھایا اور اس ماحول میں مزید اضافہ کے اقدامات کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے حقیقی تشخص کو مٹانے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت متصلب مسلمانوں کو ''دہشت گرد'' اور ان کی دینی، فکری اور عملی تربیت کرنے والے اداروں، خاص طور سے مدارس کو ''دہشت گردی کے مراکز اور فکری آماجگاہیں'' قرار دینے کا ایک نا ختم ہونے والا مسلسل پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے، اس زہریلے پروپیگنڈہ میں ان کے دیسی نمک خوار بھی ان کے شانہ بشانہ مصروف کار دکھائی دیتے ہیں۔

مدارس دینیہ چوں کہ اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت اور امت مسلمہ کی چودہ صدیوں کے عظیم الشان دینی اور علمی ورثہ کے امین ہیں، مدارس کی شبانہ روز محنتوں سے اسلام اپنے حقیقی روح و عمل کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہے، یہ مدارس ہی ہیں جن کی جہد پیہم کی وجہ سے آج برصغیر پاک و ہند استعمار کی شدید ترین کوششوں کے باوجود ''اندلس'' نہیں بن سکا ہے، مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ساٹھ سے زائد مسلمان ممالک اپنے تمام تر وسائل کے باوجود بھی ان استعماری سازشوں کا مقابلہ نہیں کر سکے، بلکہ اس پر مستزاد دکھ دینے والی صورت حال یہ ہے کہ اکثر مسلم ممالک استعماری سازشوں کا شکار ہو کر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں، چوں کہ مغربی استعماری قوتوں کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ ان کے منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں آخری رکاوٹ ''دینی مدارس'' ہیں، اِس لیے ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ کسی بھی طرح سے مدارس کو موجودہ ''دہشت گردی'' کے ساتھ نتھی کر کے انہیں راہ سے ہٹا دیا جائے، اگر ایسا نہ ہو سکا (اور یقیناً نہیں ہوگا۔ ان شاءاللہ) تو ان کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کروائی جائیں کہ مدارس سے بھی ''لارڈ میکالے'' کے دیے ہوئے نظام تعلیم کی طرح انہی کے پروردہ لوگ نکلیں، جن میں دنیا کو حقیقی اسلام سے متعارف کروانے کی صلاحیت مفقود ہو، جو ہر طرح کے جذبہ حریت سے خالی ہوں۔

اہل مغرب کی طرف سے ''مدارس دینیہ'' کے بارے میں آئے روز جو نت نئے پروپیگنڈے کیے اور اپنے دیسی نمک خواروں کے ذریعے کروائے جا رہے ہیں، ان میں جس طرح نائن الیون کے بعد شدت لائی گئی تھی ٹھیک اسی طرح کچھ عرصہ قبل رونما کروائے جانے والے سانحہ پشاور کے بعد بھی حکومتی سطح سے لے کر پرنٹ و الیکٹرانک اور سوشل میڈیا میں بھی ایک شور وغل بپا ہے کہ ہو نہ ہو اس دہشت گردی کے پیچھے

مدارس، ان کا نصاب تعلیم اور ان کے اساتذہ کی فکری و عملی تربیت کارفرما ہے، اس بارے میں ہمیں مغرب سے کوئی گلہ نہیں، چوں کہ اپنی راہ کی اس آخری رکاوٹ کو ہٹانے اور اپنے استعماری وتبشیری مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ ''مدارس'' کو دہشت گردی کے اڈے بھی باور کروائیں گے، ان کے نصاب تعلیم پر بھی قدغن لگائیں گے، اور جہاں تک ممکن ہوا ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں مشکلات سے بھی دو چار کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن ہمیں گلہ اور شکوہ ہے تو ان نام نہاد مسلم دانشوروں اور ان کے فیض یافتہ شاگردوں سے ہے جو خود کو مسلمان اور اسلام کا خیر خواہ بھی ظاہر کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ کہہ کر مدارس کو موجودہ ''دہشت گردی'' سے نتھی کرنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں کہ ماؤ نے کہا تھا: ''کہ تم لوگوں کو ذہنی طور سے مسلح کردو، ہتھیار وہ خود تلاش کرلیں گے۔''

ان بے چاروں کا قصور نہیں، یہ درحقیقت سیکولرازم کے داعی اساتذہ کی طرف سے ان کی ذہن سازی ہی کا نتیجہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے تمام تیروں کا رخ دینی مدارس کی طرف کردیا ہے، ہم ان سے اور مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے دیگر تمام حضرات سے بصد احترام یہ کہیں گے کہ یہ ہر بات ذی شعور پاکستانی اچھی طرح جانتا ہے کہ موجودہ عسکریت پسندی اسی (۸۰) کی دہائی میں عالمی امن کے ٹھیکیدار، صاحب بہادر امریکہ کی آشیر باد پر بنائی جانے والی ہماری اپنی حکومتوں کی خارجی اور داخلی پالیسیوں کا نتیجہ ہے، نہ کہ دینی مدارس، ان کا نصاب تعلیم اور ان کے اساتذہ کی تربیت؛ اس لیے کہ دینی مدارس کم وبیش اپنے اسی نصاب تعلیم اور اساتذہ کے اسی اندازِ فکر و تربیت کے ساتھ گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے اس خطے میں خدمات انجام دے رہے ہیں، بقول کسے: ''کہ مدارس کا تعلیمی ماحول اور تربیتی فضا ہی عسکریت کا باعث ہیں'' تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ باور کروانا چاہتے ہیں تو پھر قیام پاکستان کے ساتھ ہی عسکریت پسندی کیوں شروع نہ ہوئی؟ اس نے اسی (۸۰) کی دہائی کا ہی کیوں انتظار کیا؟! یہ کسے معلوم نہیں کہ جب صاحب بہادر کی ضرورت تھی تو اس وقت ''سرخ عفریت'' کو شکست دینے کے لیے ہمارے حکمرانوں نے خود ان کی ہمنوائی میں سویلینز کو عسکریت کے فضائل سنائے، انہیں مسلح کیا اور انہیں ہر طرح سے پروموٹ کرکے ان کے تمام تر اقدامات کو ریاستی سطح پر جہاد کا درجہ دیا، آج جب سوویت یونین کو شکست و ریخت سے دوچار ہوئے عرصہ گزر گیا اور صاحب بہادر امریکہ اپنے سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے سرخ انقلاب کی طرح زوال پذیر ہونے جارہا ہے تو وہ اور ان کے ہم نوا کل جنہیں خود مجاہدین باور کروارہے تھے آج خود ہی انہیں خوارج قرار دینا چاہتے ہیں، ؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے، یہ کوئی سوچ ہے یا بازیچۂ اَطفال؟! قطع نظر اس سے کہ ہمیں یا کسی کو بھی کل اور آج کی پالیسیوں سے اتفاق رہا یا نہیں، اتنی بات تو طے

شدہ ہے کہ آج خون ریزی اور عسکریت پسندی کی شکل میں پوری قوم جس فصل کو کاٹ رہی ہے وہ گزشتہ دہائیوں ہی کی کاشت کردہ ایک زمینی حقیقت ہے، خروج وعدم خروج کی فکری بحث کے لیے صرف اخباری کالم نہیں، علمی وسعتوں، حزم واحتیاط اور زمینی حقائق کے ساتھ اس کا واویلا کرنے والوں کے کل اور آج کے کردار وگفتار کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا پڑے گا، کیا یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ خود اسلام سے عملی روگردانی کر کے دوسروں پر خروج کے فتوے لگائے جائیں؟ دل چاہتا ہے کہ ان سے یہ پوچھا جائے کہ کیا زبردستی اور من مانی کر کے کسی پر خروج کے فتوے چسپاں کرنے سے وطن عزیز کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے؟ کوئی بھی صاحب عقل وشعور اسے موجودہ تمام مسائل کا حلِ وحید ہرگز بھی قرار نہیں دے گا، تو پھر کیوں بعض ناعاقبت اندیش ان ''امپورٹڈ فتووں'' سے ملک کو مزید آگ وخون ریزی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں؟

طرفہ تماشہ دیکھیے کہ یہ لوگ اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ استعماری مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار کرنے کے لیے مدارس کو بھی عسکریت پسندی سے نتھی کر کے ان کو اور عسکریت پسندوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہتے ہیں، حالاں کہ اہل مدارس، خاص طور سے وفاق المدارس العربیہ نے کچھ عرصہ قبل لاہور کے ملک گیر علماء کنونشن میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ پاکستان کے اندر کسی بھی طرح کی عسکریت پسندی کے قائل نہیں، عالمی اور ملکی میڈیا اس کا شاہد رہا ہے، پھر بڑے وسیع پیمانے پر اس کانفرنس کا اعلامیہ شائع کروا کے ملک بھر میں باقاعدہ تقسیم بھی کیا گیا۔ مزید برآں مدارس کے خلاف زہر اگلنے والوں کو بھی اعتراف ہے کہ مدارس والے عسکریت پسندوں کے اس طرز عمل سے متفق نہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل مدارس اس طریقہ کار سے اختلاف کرتے ہیں اور آپ کو بھی اس کا اعتراف ہے تو پھر کیوں مدارس کو زبردستی عسکریت سے جوڑنے کی سعی نامسعود کی جارہی ہے؟ اگر حقائق کے برخلاف مدارس کو یوں ہی زبردستی اس آگ میں دھکیلنے کی کوشش کی جائے گی کہ جس میں نہ ملک وقوم کا مفاد ہو اور نہ ہی حکومت کا تو پھر علماء ضرور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مدارس کے خلاف یہ یلغار امریکہ اور لادین قوتوں کے کہنے پر کی جارہی ہے، لیکن ان کے اس بیان سے نظم اجتماعیت کے ہونے یا نہ ہونے کا لفظی چکر چلا کر اسے عسکریت پسندی کے جواز پر محمول کرنا زبردستی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سستی شہرت کے حصول لیے آپ کسی اور میدان کا انتخاب کیجیے، دنیا میں ریٹ بڑھانے کے تو اور بھی ذرائع ہیں، کیا اس کے لیے مدارس کو ہی دوش دینا ضروری ہے، خدارا! اس مذموم پروپیگنڈہ سے باز آجائیں وگرنہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، جس دن خدا کی لاٹھی حرکت میں آگئی تو پھر ان بوریہ نشینوں اور مدارس کے خلاف زہر اگلنے والی یہ زبانیں گنگ اور قلم کی سیاہی خشک ہو جائے گی۔

کوئی اور اگر آپ کی پیش کی ہوئی ''ماؤ'' والی اس ''نرالی منطق'' کا سہارا لے گا تو یقیناً یہ کہنا بے جا

نہ ہوگا کہ گذشتہ ستر سالوں سے وطن عزیز میں جتنی بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، کرپشن، حقوق کی پامالی، منتخب حکومتوں پر آمریت کے شب خون، ملک کو دولخت کرنے، ملک وقوم کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر سوئس بینکوں میں بھرنے، علاقائیت، صوبائیت قومیت اور لسانیت کے نام پر کشت وخون اور دہشت گردی، پولیس گردی کے ذریعہ سینکڑوں معصوم شہریوں کو جان سے مارنے، لاپتہ افراد کیس کے مطابق متعدد قوم کے فرزندوں کو تاحال غائب کرنے اور قوم کی بیٹی عافیہ صدیقی کو چند ڈالروں کے عوض فروخت کرنے کے پیچھے کالجز اور یونیورسٹیوں میں رائج لارڈ میکالے کا نظام تعلیم، وہاں کا نصاب اور وہاں پڑھانے والوں کی فکری اور ذہنی تربیت اور ماحول کارفرما ہے، یا پھر ملک کا اجتماعی نظام؛ اس لیے کہ مذکورہ کاموں میں یقیناً کوئی ایک بھی مدارس کا فیض یافتہ یا وہاں کے اساتذہ سے فکری تربیت پانے والا نہیں۔ گزشتہ کل کے اخبار میں یہ خبر ۔۔۔کہ لاہور میں اغوا برائے تاوان اور بردہ فروشی کی وارداتیں کرنے والے مرد وعورت دونوں یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔۔؛ لہٰذا مدارس سے زیادہ ان اداروں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

میں اپنی تحریر کو ختم کرنے سے پہلے وطن عزیز کے حکمرانوں، قومی اداروں کے پالیسی ساز ذمہ داروں اور پرنٹ والیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اپنے پاکستانی بھائیوں کی خدمت میں مدارس کے بارے میں شاعر مشرق، مفکر ومحسن پاکستان جناب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے اس قول کو پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں، جو یقیناً آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، تم ہماری نہیں مانتے ہو تو نہ مانو، اگر تم اس ملک وقوم کے خیر خواہ اور وفادار ہو تو اپنے محسن اور مفکر وطن کی تو مانو، علامہ صاحب نے فرمایا:

> ''ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان (اور اب پاکستانی مسلمان بھی) ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، برصغیر پاک وہند میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ (لاہور کے شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد) کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

شیخ الحدیث مولانا عبد القدوس قارن مدظلہم کے برادر نسبتی، مولانا عبد الوکیل خان مغیرہ کے حقیقی ماموں محترم حافظ محمد یوسف صاحب کی والدہ، استاذِ مکرم مولانا قاری محمد صادق مدظلہ کی خوشدامن صاحبہ قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

قارئین کی آراء

قابل صد احترام مولانا احسن خدامی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلّہ صفدر کا ہر شمارہ موصول ہوتا ہے اور اسے بے حد شوق سے زیر مطالعہ رکھتا ہوں۔ امید ہے آئندہ بھی موصول ہوتا رہے گا۔

بندہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی صحبت صالح سے تو فیضیاب نہ ہوسکا، لیکن اُن کی کتب کے مطالعہ سے اُن کے ساتھ غیر معمولی محبت پیدا ہوئی۔ اِسی محبت کی وجہ سے خاندانِ صفدریہ کے کسی بھی فرد کی کوئی بھی کتاب (یا تحریر) مل جائے تو انتہائی شوق سے پڑھتا ہوں۔

ایک مرتبہ گوجرانوالہ جانا ہوا، مکتبہ امام اہل سنت پر حاضری دی، دراصل اُس وقت میں (شیخ الحدیث حضرت) مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کی کتاب ''مولانا ارشادالحق اثری کا مجذوبانہ واویلا'' کی تلاش میں تھا جو کہیں سے نہیں مل رہی تھی۔ مکتبہ میں موجود محقق اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر کی کئی کتب بھی لیں۔ اِسی دوران الشریعہ کے ناظم ترسیل نے ''الشریعہ'' اٹھا کر دیا اور کہا کہ: یہ امام اہل سنتؒ کے بیٹے مولانا زاہدالراشدی کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ بندہ نے الشریعہ کو صرف اس لیے زیر مطالعہ رکھا کہ امام اہل سنتؒ کی طرح یہ بھی اپنے مسلک کی ترجمانی کرے گا۔ (جبکہ میں مولانا محترم کے اس قول سے قطعاً ناواقف تھا کہ: ''الشریعہ کو مسلکی ترجمان کے طور پر ہم نے کبھی پیش نہیں کیا۔'' [اشاعت خاص، ص: ۵۷]) لیکن الشریعہ میں مختلف قسم کی ہفوات پڑھ کر، حضرت امام اہل سنتؒ کی کتب کے مطالعہ سے بندہ میں جو مسلکی تصلب پیدا ہوا تھا، وہ نہ رہا۔ اور بندہ مختلف وساوس کا شکار ہوگیا۔ ایک طرف تو حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے کس طرح باطل فرقوں کا تعاقب کرکے لوگوں کو ان سے (اور ان کی تحریروں سے) دُور رہنے کا درس دیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ حضرات رواداری کے نام پر لوگوں کو کس راہ پر چلنے کی دعوت دے رہے ہیں؟

لیکن مجلّہ صفدر زیر مطالعہ رکھنے سے حقیقت واضح ہوئی کہ یہ لوگ حضرت امام اہل سنتؒ کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے کسی اور راہ پر گامزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ ہی کے جریدے کے ذریعے بندہ پر حقیقت آشکارا ہوئی۔

بندہ سعید شیخ سلطان، ٹانک، کے پی کے